نور جہاں بیگم

شخصیت اور کارنامے

مصنف

ابوسفیان

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی

نور جہاں بیگم

شخصیت اور کارنامے

مصنف

ابوسفیان

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	2013
تعداد	:	550
قیمت	:	-/80 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	1692

Noor Jahan Begum
By : Abu Sufiyan

ISBN :978-81-7587-881-5

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066 فون نمبر: 26109746
فیکس: 26108159 ای میل: ncpulsaleunit@gmail.com
ای میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: ہائی ٹیک گرافکس، ڈی 8/2، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز II، نئی دہلی 110020
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

ڈاکٹر ابوسفیان کی تصنیف ''نور جہاں بیگم-شخصیت اور کارنامے'' کو قارئین کے سامنے پیش کرنے میں خوشی محسوس کررہا ہوں۔ درحقیقت اس مقالہ کا مقصد ہندستانی تاریخ کے ایک خلا کو پُر کرنا ہے۔ نور جہاں کا نام عہد وسطیٰ کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ ویسے تو ماضی میں نور جہاں کی شخصیت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن شاید پہلی بار ڈاکٹر ابوسفیان نے تاریخی حقائق واسناد کی روشنی میں سلسلہ وار طریقے سے نور جہاں کی شخصیت کے ہمہ گیر پہلوؤں کو کامیابی کے ساتھ پیش کرنے کی مخلصانہ کوشش کی ہے۔

موجودہ تصنیف مقدمہ، تمہید اور خلاصہ کے علاوہ 11 ابواب پر مشتمل ہے۔ مصنف نے ہم عصر فارسی تواریخ، غیر ملکی سیاحوں کے بیانات اور دیگر ذرائع کے ناقدانہ مطالعہ سے خاصا استفادہ کیا ہے اور اسی کی روشنی میں اس کو پیش کیا ہے۔ مختلف ابواب پر مشتمل اس تصنیف میں نور جہاں کی ابتدائی زندگی، مہرالنسا اور شیر افگن کے قتل کا ماجرا، جہانگیر کی مہرالنسا کے ساتھ شادی، بادشاہ بیگم کی حیثیت سے نور جہاں کی فرماں روائی وغیرہ کو بہت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ''مقدر کی ملکہ'' تھی، لیکن شہنشاہ اور مملکت دونوں پر اس کا اثر ورسوخ صرف اس کی بے انتہا خوبصورتی کی بنا پر قائم نہیں ہوا بلکہ دراصل اس کی خداداد صلاحیت، قابلیت

اور ذہانت نے اہم کردار نبھایا۔

ڈاکٹر ابوسفیان نے نور جہاں کے عہد کے متضاد پہلوؤں کو ہم عصر تاریخی ذرائع اور اسناد کے غیر جانبدارانہ تجزیہ کے بعد اس حقیقت کو بخوبی واضح کیا ہے کہ وہ نہ صرف ایک حسین وجمیل خاتون تھی بلکہ سیاسی بصیرت اور عسکری حکمت عملی تیار کرنے میں اس کا کوئی نظیر نہیں تھا، جس کا مظاہرہ اس نے مہابت خان کی یورش کو ختم کرنے اور اس کی قید سے اپنے شوہر جہانگیر کو آزاد کرانے میں کیا تھا۔

نور جہاں کی غیر معمولی ادبی وثقافتی خدمات، اس کی سوانح حیات کا ایک خاص پہلو ہے۔لباس، زیورات، آرائش وزیبائش، تعمیرات وباغبانی، بخشش اور سخاوت، نظم ونسق گویا ہر شعبہ میں اس نے اپنی ایک شناخت قائم کی اور اپنی بے بہا خدمات اور سرپرستی سے اپنے عہد کے ادبی وثقافتی حالات کو معراج کی بلندیوں تک پہنچادیا۔

مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ تصنیف میں مصنف کا انداز تحریر اور اسلوب نہ صرف معلوماتی ہے بلکہ اس میں اعلیٰ درجہ کی ادبی چاشنی اور بیان کی دلکشی بھی موجود ہے۔ اس تصنیف کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ نور جہاں کے علاوہ جہانگیر اور اس کے عہد کی اہم سیاسی اور فوجی شخصیتوں، جیسے مرزا غیاث بیگ، آصف خان اور مہابت خان وغیرہ کے کردار اور مملکت پر ان کے اثر ورسوخ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

مجھے قوی امید ہے کہ نور جہاں کی سوانح عمری عہد مغلیہ کی نامور شخصیات کے تعارف میں ایک اہم اضافہ ہے اور عہد وسطیٰ کی تاریخ کے طالب علموں اور محققین کی معلومات میں اضافہ کے لیے ایک اہم ذریعہ اور وسیلہ ثابت ہوگی۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین
ڈائرکٹر

فہرست مضامین

مقدمہ vii

اختصاریہ xi

تمہید xv

باب اوّل:
نور جہاں کے آباواجداداوراس کی ابتدائی زندگی 1

باب دوئم:
مہرالنساءاورشیر افگن کے قتل کا ماجرا 13

باب سوئم:
شہزادہ سلیم اورمہرالنساءکے درمیان ابتدائی معاشقہ
حقیقت یا افسانہ 21

باب چہارم:
جہانگیر کی مہرالنساء(شیر افگن کی بیوہ) سے شادی
نورمحل اورنور جہاں کے خطاب سے نوازا جانا 29

باب پنجم:
بادشاہ بیگم کی حیثیت سے نور جہاں پہلی خاتون مملکت
فرمانروائی اوراقتدار کی حصولیابی 39

باب ششم:
نور جہاں گروہ — حقیقت یا سر ٹامس رو کے تخیلات 61
باب ہفتم:
مہابت خان کی یورش 83
اور
جہانگیر کو مہابت خان کی قید سے آزاد کرانے میں
نور جہاں کی حکمت عملی
باب ہشتم:
جہانگیر کی موت، نور جہاں کی مصیبتیں اور آخری ایا م 91

باب نہم:
نور جہاں کی سماجی اور ثقافتی خدمات 101
باب دہم:
ادب، موسیقی، نقاشی، تعمیرات اور باغبانی کے شعبے میں خدمات 111
خلاصہ 123
ضمیمہ 127
الف — نور جہاں کے سکّے
ب — جہانگیر کے نام شاہ جہاں کا خط
س — نور جہاں کی موت کا منظر اور آخری پیغام
ج — نور جہاں کے چند منتخب اشعار
ح — نور جہاں کے حکم کا تعارف
خ — نور جہاں کی مہر
د — نور جہاں کا طغرا
تصویرات
نور جہاں کا شجرہ
اسناد

☆☆☆

مقدمہ

ہندوستان کی تہذیب وتمدن کو استوار کرنے میں خواتین کا شروع سے ہی اہم اور نمایاں کردار رہا ہے۔ زمانہ قدیم سے عہد وسطیٰ تک شاہی خواتین عزت اور اقتدار سے نہ صرف سر بلند رہی ہیں بلکہ انھوں نے بادشاہ اور مملکت دونوں پر اپنا اثر ورسوخ ڈالا ہے۔

مغلیہ عہد کی خواتین میں شہنشاہ نورالدین جہانگیر کی ملکہ نور جہاں کا ایک انوکھا مقام ہے۔ اس کے متعلق مؤرخین کی رائے ہے کہ وہ 'مقدر کی ملکہ' (Woman of Destiny) تھی اور اس کا عروج خورشید جہاں تاب کی مانند تھا۔ ایک عظیم ملکہ کی حیثیت اس نے نہ صرف مغلیہ دربار کے وقار اور دبدبہ میں اضافہ کیا بلکہ اپنے عہد کی سماجی وثقافتی ترقی میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔

شہنشاہ جہانگیر سے اسے بے انتہا محبت تھی اور اسی غیر معمولی محبت اور جاں نثاری کے جذبے کی وجہ کر بادشاہ اس پر بے انتہا اعتماد کرتا تھا اور اس کی عزت افزائی کے طور پر اس نے اسے نور محل اور نور جہاں کے القاب سے نوازا۔ بالآخر بادشاہ بیگم کے خطاب سے سرفراز کر کے مملکت کی خاتون اوّل قرار دیا۔

نور جہاں کی شخصیت پر ماضی میں مصنفین نے نظم ونثر، ناول، مضمون، مقالہ اور افسانہ کی شکل میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن تحریر کی فنکاری اور زبان وبیان کی چاشنی میں تاریخی حقائق واسناد کی روشنی مدھم ہوگئی ہے۔ اس کے برعکس میں نے نور جہاں کی ہمہ گیر شخصیت اور کردار کو پوری

طرح ہم عصر تاریخی حقائق واسناد کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

میں سب سے پہلے اپنے استاد محترم ڈاکٹر پرمیشور پرشاد سنہا، پرنسپل آر دی جے اینڈ دی کالج مونگیر کا خاص طور پر ممنون ہوں کیونکہ اگر ان کی پدرانہ شفقت اور رہنمائی شامل حال نہیں ہوتی تو شاید یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا۔

میں مغلیہ عہد کے مشہور مورخ ڈاکٹر سید حسن عسکری کو کیسے فراموش کرسکتا ہوں، انھوں نے مقالہ کے متعلق کارآمد اور قیمتی مشوروں سے نوازا اور تاریخی کتابوں کے انتخاب میں نہ صرف میری رہنمائی کی بلکہ مختلف تاریخی گتھیوں کو سلجھانے میں میری معاونت بھی کی۔ موصوف کے لیے میں دل کی گہرائیوں سے دست بہ دعا ہوں۔

ڈاکٹر مسز چندرا پنت، ریڈر شعبہ تاریخ، الہ آباد یونیورسٹی کا بھی شکر گزار ہوں۔ موصوفہ نے تصنیف کی تیاری میں الہ آباد کے قیام کے دوران میرا پُر خلوص تعاون کیا۔ فارسی کے قلمی نسخے اور مطبوعات کے ترجمہ میں استاد محترم اور سگے ہم زلف جناب ڈاکٹر پروفیسر یحییٰ ابدالی، صدر شعبۂ اردو و فارسی، ڈی جے کالج، مونگیر بہار کے پُر خلوص تعاون کا شکریہ ادا کرنا بھی میرا فرض منصبی ہے۔

میں محترم و مکرم، مفکر اسلام اور تاریخ ساز شخصیت مولانا ولی رحمانی دامت برکاتہم، سجادہ نشیں، خانقاہ رحمانی، مونگیر و سرپرست رحمانی فاؤنڈیشن مونگیر کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں۔ موصوف نے ہم عصر تاریخی اسناد پر مشتمل اس مسودہ کو کتاب کی شکل میں شائع کرانے کی نہ صرف ترغیب دی بلکہ رحمانی فاؤنڈیشن مونگیر کے کارکنوں کے ذریعہ دیگر سہولتیں بھی فراہم کروائیں۔ اس سلسلہ میں برادر مولانا نظام الدین قاسمی، مولانا امتیاز رحمانی اور مولانا عارف رحمانی بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔

میں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، پٹنہ میوزیم، الہ آباد میوزیم، لکھنؤ میوزیم، الہ آباد آرکائیوز، اسٹیٹ آرکائیوز لکھنؤ، راجستھان اسٹیٹ آرکائیوز بیکانیر، شبلی نعمانی لائبریری، لکھنؤ، کتب خانہ رحمانی مونگیر، ڈی جے کالج لائبریری مونگیر، رضا لائبریری رامپور، شری کرشن سیوا سدن مونگیر وغیرہ کی انتظامیہ کا ممنون ہوں جنھوں نے بڑی فیاضی سے تاریخی دستاویزات،

مخطوطات اور تصاویر و شبیہہ کی نقلیں فراہم کیں۔

ان سبھوں کے ساتھ میں اپنی شریکِ حیات کو، جو میرے لیے نور جہاں سے کم نہیں ہیں، کیسے فراموش کر سکتا ہوں، جس کے بے انتہا خلوص، خدمت اور معاونت نے میرے اس کام کو آسان بنایا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے بچوں کے لیے بھی دست بہ دعا ہوں جنھوں نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میرا ہر طرح تعاون کیا۔ اظہار تہنیت کے سلسلے کو برقرار رکھتے ہوئے محترم جناب ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین، ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (نئی دہلی) اور ان کی انتظامیہ کے اراکین کا خاص طور سے شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنے ادارہ سے میرے مسودہ کو کتاب کی شکل میں شائع کرا اعزاز سے نوازا۔

ڈاکٹر ابوسفیان

اختصاریہ

آئین	آئین اکبری
ا،ن	اکبر نامہ
انٹیکوٹیز	دی اینٹیکوٹیز آف بنگال (بردوان)
احوال	احوال شہزادگی شاہ جہاں
ایلیٹ	ایلیٹ اینڈ ڈوسن کی ہسٹری آف انڈیا ایز ٹولڈ بائی اٹس اون ہسٹوریئنس
آتش	حاجی لطف علی بیگ کی آتش کدہ
اسٹوورٹ	سی، ایم وی، اسٹوورٹ کی گارڈنس آف دی گریٹ مغلس
اقبال نامہ	معتمد خان کی اقبال نامۂ جہانگیری
ایشوری	ایشوری پرشاد کی ہسٹری آف مسلم رول
آئی، ایچ کیو،	انڈین ہسٹاریکل کوارٹرلی
اوجھا	پی، این اوجھا کی سم ایسپکٹس آف نارتھ انڈین سوشل لائف
بنی پرشاد	بنی پرشاد کی ہسٹری آف جہانگیر
بیل	ٹی، ڈبلو بیل کی مفتاح التواریخ
بارڈک	ایل پی ٹیسٹوری کی دی بارڈک اینڈ ہسٹاریکل سروے آف راجپوتانہ

برنیر	فرینکوئس برنیر کی ٹریویلس ان دی مغل ایمپائر
بزم	عبدالرحمٰن کی بزم تیموریہ
توزک	جہانگیر کی توزک جہانگیری
ترپاٹھی	آر، پی ترپاٹھی کی رائز اینڈ فال آف مغل ایمپائر
ترمذی	اے۔ایل ترمذی کی ایڈکٹس فرام دی مغل حرم
ٹیری	ایڈوارڈ ٹیری کی وو ائج ٹو ایسٹ انڈیا
سرکار	سر جادوناتھ سرکار کی ہسٹری آف اورنگ زیب
سوانح	امجد علی اشہری کی نور جہاں بیگم کی سوانح عمری
شری واستو	اے ایل شری واستو کی دی مغل ایمپائر
جعفر	جعفر کی سم ایسپکٹس آف مسلم رول ان انڈیا
جہانگیرنامہ	برج رتن کے ذریعہ جہانگیر نامہ کا ترجمہ
جمیلا	جمیلا برج بھوشن کی کسٹومس اینڈ ٹیکسٹائلس آف انڈیا
جنتا	ڈاکٹر الیف نورالحسن کا مقالہ نور جہاں جنتا
جوشی	جوشی کی ہسٹری آف انڈین میوزک
چترمن	چترمن کی چہار گلشن
چوپڑہ	سم ایسپکٹس آف سوسائٹی اینڈ کلچر ڈیورنگ مغل ایج
حسن	ابن حسن کی دی سنٹرل ایڈمنسٹریشن آف دی مغل ایمپائر
حیدر	حیدر ملک کی تاریخ کشمیر
خلاصہ	سجن رائے کی خلاصۃ التواریخ
خیال	شیر خان لودی کی مراۃ الخیال
خافی خان	منتخب اللباب
ڈیلاویل	ٹریویلس آف پٹروڈیلاویل ان انڈیا
ڈی لیٹ	ڈی لیٹ کی دی ایمپائر آف دی گریٹ مغل

ذخیراۃ	شیخ فرید بھکاری کی ذخیرۃ القوانین
فتح نامہ	کامی شیرازی کی فتح نامۂ نور جہاں بیگم
فرگسن	جیمس فرگسن اے ہسٹری آف انڈیا اینڈ ایسٹرن آرکیٹیکچر جلد دوم
قانون	جعفر شریف کی قانون اسلام
قلی	تاریخ خان جہاں لودی
کلیمات	محمد افضل سرخوش کی کلیمات الشعرا
کرو	شلویا کرو اور ہے ووڈ کی دی گارڈنس آف مغل انڈیا
کمودی	کمودی کی اسٹڈیز ان مغل پینٹنگ
لا	این این لا کی پروموشن آف لرننگ ان انڈیا ڈیورنگ مغل رول
لاہوری	عبدالحمید لاہوری کی بادشاہ نامہ
مالکم	سرجان مالکم کی دی ہسٹری آف پرشیا
مخزن	احمد علی ہاشمی کی مخزن الغرائب
کامگار	خواجا کامگار حسینی کی مآثر جہانگیری
مآثر	شاہنواز خان کی مآثر الامرا
منتخب	عبدالقادر کی منتخب اللباب
منوچی	منوچی کی اسٹوریا دو موگور
منڈی	پیٹر منڈی کی ٹریولیس II
نسخہ	نسخۂ جہانگیری
پنت	چندرا پنت کی نور جہاں اینڈ ہر فیملی
پرسی	پرسی براؤن کی انڈین آرکیٹکچر
ریکھا	ریکھا مشرا کی وی من ان مغل انڈیا
رو	سر ٹامس رو کی دی ایمبیسی آف سر ٹامس رو
ریحان	ریحان الادب

ریورٹی	مولانا منہاج الدین کی طبقات نصیری مترجم ایچ جی ریورٹی
آر اینڈ بی	راجرس اینڈ بیوریج
ہفت اقلیم	امین احمد رازی کی ہفت اقلیم
ہمایوں نامہ	گل بدن بیگم کی ہمایوں نامہ
ہودی والا	ایس ہودی والا کا مقالہ نیومیسمیٹکس سپلیمنٹ

☆☆☆

تمہید

ا

سوانح حیات تاریخ کا اہم جزو ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں اہم شخصیتوں (خواہ مرد ہوں یا عورت) نے اپنے نمایاں خدمات سے ملک وقوم کی قسمت کو بدل ڈالا ہے۔ زمانہ قدیم سے کئی اہم خواتین نے اپنے دور میں ملک کی ہمہ گیر ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ان کی خدمات کو تاریخ سازی کی حیثیت سے قبول کیا گیا ہے۔ مثلاً کمار دیوی (لچھوی رانی) جس نے اپنے شوہر چندر گپت اول کے ساتھ مل کر تقریباً 320 میں حکومت کے نظم ونسق کو بخوبی انجام دیا۔ راشٹر کوٹ رانی دھرووسوامنی نے آٹھویں صدی کے دوران اپنے شوہر دھرود کے شانہ بشانہ حکومت کے فرائض کو بہت ہی عقل وفراست کے ساتھ نبھایا۔ ارجمند دوخت اور پران دوخت (جو ایران کے ساسانی خاندان کے حکمران خسرو پرویز کی لڑکیاں تھیں) نے ساتویں صدی میں بہت ہی کامیابی کے ساتھ ایران پر حکومت کی۔ رضیہ سلطان جو ہندوستان کی پہلی مسلم خاتون حکمراں تھیں۔ 1236 سے 1240 تک دلی سلطنت کے تخت پر جلوہ افروز رہیں۔

مغلیہ عہد میں کئی خواتین نے حکومت کے سیاسی، سماجی اور ثقافتی نظام کو بدلنے اور ہمہ گیر ترقی میں نمایاں کردار نبھایا ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان کے خدمات کو تاریخی

پس منظر میں بہت کم پیش کیا گیا ہے۔ تاریخ کے صفحات پر خانزادہ بیگم (ظہیرالدین بابر کی بہن) نور جہاں (جہانگیر کی ملکہ) زیب النسا (اورنگ زیب عالم گیر کی لڑکی) و دیگر خواتین کے نام نمایاں ہیں لیکن عہد وسطیٰ کی تاریخ میں جس خاتون نے شہرت اور بلندی کا سب سے اعلیٰ مقام حاصل کیا وہ نور جہاں تھیں۔ گرچہ اس کی سوانح حیات پر مصنفوں نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن زیادہ تر تصانیف تاریخی پس منظر کے بجائے افسانے، ناول اور فرضی خیالات پر مبنی ہیں۔ اس تصنیف کے ذریعہ ناچیز نے پہلی بار اس تاریخ ساز خاتون کی شخصیت کے اوپر سے افسانوی گرد و غبار اور قصہ کہانی کے ابر کو ہٹا کر پوری طرح سے تاریخی شواہد کی روشنی میں اس کی سوانح عمری قارئین کے سامنے پیش کرنے کی مخلصانہ کوشش کی ہے۔

اس مشہور و معروف خاتون کا اصلی نام مہرالنساء تھا، جو مرزا غیاث بیگ کی لڑکی تھی۔ 1611 میں مغل بادشاہ نورالدین جہانگیر سے شادی کے بعد نور محل اور پھر بعد میں نور جہاں کے خطاب سے نوازی گئی۔ 1622 میں جہانگیر نے ''بادشاہ بیگم'' کے اعزازی لقب سے سرفراز کیا۔ جہانگیر کو اس پر نہ صرف اعلیٰ درجہ تک اعتماد تھا بلکہ اس کی آخری سانس تک اس کی دست راز بنی رہی۔ کئی جاگیریں اسے عطا کی گئیں۔ بھوٹان سے آنے والے سوداگروں اور سکندر آباد کے تاجروں سے چنگی وصول کرنے کا اختیار دیا گیا۔ یہاں تک کہ شہنشاہ کے بعد اسے اپنا نقارہ اور شہنائی بجانے کا اختیار بھی ملا۔ اکثر و بیشتر وہ شہنشاہ کے ساتھ جھروکے میں بیٹھتی تھی اور حکومت کے امرا کو احکام جاری کرتی تھی۔ اس کے نام کا سکہ بھی جاری کیا گیا جس پر یہ شعر کندہ تھا:

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور
بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر

اس کے علاوہ اسے ''حکم''، ''منشور'' اور ''نشان'' بھی جاری کرنے کے خصوصی اختیارات سے نوازا گیا۔ وہ ضیافت کے ساتھ ساتھ امرا کو خلعت سے بھی نوازتی تھیں۔ اس نے غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کو مالی امداد دے کر اپنی اعلیٰ ظرفی کی مثال پیش کی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے مہابت خان کی یورش کو ختم کرنے میں اپنی غیر معمولی سیاسی تدبّر اور فوجی مہارت کی جو مثال پیش کی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

امورِ سلطنت پر خاصا اثر ورسوخ قائم ہونے کی وجہ سے مؤرخوں نے نور جہاں پر ''نور جہاں گروہ'' (جنتا) بنانے کا الزام لگایا ہے جس میں اس کی والدہ عصمت بیگم، والد اعتمادالدولہ، بھائی آصف خان اور شہزادہ شاہ جہاں شامل تھے۔ نور جہاں گروہ کے فلسفہ کو بہت ہی باریکی سے مطالعہ کیا گیا ہے اور ہمعصر تاریخی دستاویزات کا منصفانہ طور پر تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اس طرح کے کسی گروہ کا وجود ہی نہیں تھا۔ نور جہاں نے اپنے شوہر پر جو اثر ورسوخ ڈالا وہ پوری طرح سے ذاتی تھا اور یہ جہانگیر کے لیے جذبۂ جاں نثاری اور بے انتہا محبت کا نتیجہ تھا۔ اس کے علاوہ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ مغلوں کا حکمراں طبقہ مختلف عناصر کی آمیزش تھی جن میں آپس میں بغض وعناد کا مادّہ بھی کارفرما تھا۔ ایسے میں جہانگیر کا دل جیتنے اور ملکۂ خاص بننے کے لیے والہانہ محبت وعقیدت ہی واحد ذریعہ تھا اور عملی طور پر اس کا مظاہرہ کر کے وہ پوری طرح سے کامیاب ہوئی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نور جہاں بیگم مختلف خوبیوں کی ملکہ تھی، وہ اعلیٰ پایہ کی شاعرہ، نہایت ذہین اور ایک ماہر شکاری تھی اور اپنی مختلف خوبیوں اور صلاحیتوں کی وجہ سے ہی وہ مختلف اعزاز والقاب سے نوازی گئی۔ اس کی پرورش و پرداخت بیشک شاہی سرپرستی میں ہوئی لیکن جہانگیر سے شادی کے بعد وہ اس حقیقت سے پوری طرح آشنا ہوگئی کہ جہانگیر کے حرم سرا میں اور بھی رانیاں ہیں اور ان سبھی میں بادشاہ کی نورِ نظر بننے کے لیے بڑی رقابت ہے۔ ایسے حالات میں اس نے اپنے شوہر کے لیے جس بے لوث وفاداری، محبت اور ایثار وقربانی کا مظاہرہ کیا، اس سے جہانگیر کا دل جیت لیا اور ''بادشاہ بیگم'' کے پایۂ ستون Pedestal تک رسائی حاصل کر لی اور جہانگیر کے آخری سانس تک سب سے چہیتی اور قابلِ اعتماد ملکہ بنی رہی۔ جہانگیر کی موت کے بعد اس عظیم ملکہ نے شریفانہ طور پر سبھی پرانے شان وشکوہ وطمطراق کو خیرآباد کیا اور امورِ سلطنت میں کسی بھی طرح کی مداخلت سے پوری طرح سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنی زندگی کے باقی ایام اپنے شوہر کی یاد اور سماجی خدمات میں گزار دیا۔

☆☆☆

2

مآخذ

یہ تصنیف مکمل طور پر ہم عصر تاریخی شواہد، علم تعمیرات، علم سکہ جات، علم فن کتبہ و دیگر ذرائع پر مشتمل ہے جس ذرائع سے اس تصنیف کی تحریر میں استفادہ کیا گیا ہے اس کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

الف ہم عصر ایرانی و فارسی تواریخ (مطبوعہ و غیر مطبوعہ)

ب ادبی کتابیں، ہم عصر تاریخی روزنامچے اور فارسی نسخے

ج علم تعمیرات، (Archaelogical) علم سکہ جات Numismatic اور علم فن کتبہ (Epigraphical) پر مشتمل ذرائع

ح پرانے اور عصر جدید میں دریافت فارسی کے قلمی نسخے۔

د ہم عصر اور بعد کے غیر ملکی سیاحوں کے بیانات

جدید ذرائع

(۱) عہد وسطیٰ کی عام تواریخ
(۲) جہانگیر کی سوانح حیات
(۳) شاہ جہاں کی سوانح عمری
(۴) دیگر مشہور و معروف اشخاص کی سوانح عمریاں
(۵) انگریزی، ہندی اور اردو میں نور جہاں کے اوپر تحریر کردہ کتابیں

رسائل و جرائد

(۱) انگریزی اور اردو میں دستیاب

ہم عصر فارسی تواریخ اور مخطوطات

ہفت اقلیم

اس کتاب کی تحریر میں ابتدائی اور خاص ماٰخذ کی شکل میں جس تصنیف سے سب سے زیادہ استفادہ ہوا ہے، وہ ہے ایرانی مصنف امین احمد رازی کی مشہور تصنیف ہفت اقلیم۔ امین احمد رازی نور جہاں کے دادا مرزا شریف کا قریبی رشتہ دار تھا، نور جہاں کے آبا و اجداد کے متعلق مصنف نے صحیح اور تفصیل سے معلومات فراہم کی ہے۔ اس کتاب کا مخطوطہ اور مطبوعہ نسخہ پٹنہ کے خدا بخش اورینٹل لائبریری میں دستیاب ہے۔

آئین اکبری

آئین اکبری، اکبر کے دربار کے اہم رتن ابوالفضل کی شہرہ آفاق شاہکار ہے، مورخین کی نظر میں یہ نہایت ہی مستند ہے۔ بلاک مین اور جیرٹ کا انگریزی ترجمہ بھی کافی اہم اور دلچسپ ہے۔ بلاک مین نے کتاب کی پہلی جلد میں نور جہاں کی زندگی کا مختصر سا خاکہ پیش کیا ہے، لیکن اختصار کے باوجود اس کی ابتدائی زندگی پر اہم روشنی پڑتی ہے۔

توزک جہانگیری

اس کتاب کے متعلق معتبر ترین سند یہ روزنامچہ ہے۔اس کا سب سے پرانا نسخہ پٹنہ کے خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری میں محفوظ ہے جسے سب سے پہلے سرسید احمد خاں نے 1864 میں شائع کرایا۔ جہانگیر نے اپنی حکومت کے سترہ سال کی یادداشت خود ہی تحریر کی لیکن بگڑتی ہوئی صحت کی بنا پر بقیہ دور کی یادداشت لکھنے کا کام معتمد خان بخشی کو سپرد کر دیا گیا۔توزک سے ہمیں نور جہاں کے اختیارات اور دیگر پہلوؤں کی اہم معلومات ملتی ہے۔راجرس اور بیوریج نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔

جہانگیر نامہ

جہانگیر کے اوپر لکھی گئی یہ ایک اہم سند ہے۔اس سے نور جہاں کے اقتدار اور جاہ وحشم پر کافی روشنی پڑتی ہے، کاشی کے برج رتن داس نے اس کا ہندی ترجمہ کیا ہے جو بہت ہی مناسب اور صحیح ہے۔

فتح نامۂ نور جہاں بیگم

کامی شیرازی نے 1625 میں ''فتح نامہ نور جہاں بیگم'' لکھا۔ جہانگیر کو مہابت خان کی قید سے آزاد کرانے میں نور جہاں کی مدبّرانہ اور فوجی کامیابی کی تفصیلات کو پیش کیا ہے۔یہ نسخہ بہت ہی کمیاب ہے لیکن پورے نسخے کی فوٹو فلم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سمینار لائبریری میں محفوظ ہے۔

انتخاب جہانگیر شاہی

یہ ولی سرہندی کی تصنیف ہے۔اس کے کچھ حصوں کا ترجمہ ایلیٹ اور ڈاوسن نے اپنی کتاب کی جلد ششم میں کیا ہے۔ اس میں نور جہاں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اقتدار کے خلاف مہابت خاں کے احتجاج اور جہانگیر کی خاموشی کا تفصیلی ذکر ہے لیکن پروفیسر نورالحسن کے لفظوں میں اس کتاب کی سند مشکوک ہے۔

مآثر جہانگیری

خواجا کامگار حسینی نے 1630 میں اس کی تصنیف کی۔اس کا مخطوطہ خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی عذرا علوی نے چھ قلمی نسخے جو ہندوستان اور یورپ کے مختلف حصّوں میں محفوظ ہیں، اس کا آپسی تقابل کر کے اس کی تالیف کی اور شائع کروایا۔حقیقت میں عذرا علوی نے یہ نمایاں خدمات انجام دے کر قارئین کو گھر بیٹھے سارے مخطوطات کی واقفیت فراہم کر دی ہے۔توزک جہانگیری کے بعد جہانگیر کے عہد کے مختلف واقعات کے علم کے لیے یہ سب سے مستند ذریعہ ہے۔

اقبال نامہ جہانگیری

محمد شریف معتمد خان جہانگیر کے عہد میں بخشی کے عہدہ پر فائز تھا۔ 1632 میں اس نے اقبال نامہ کی تحریر مکمل کی جسے 1865 میں ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے شائع کیا۔ نور جہاں کے عروج کے ساتھ مہابت خان کی بغاوت کا اس میں تفصیلی ذکر ہے لیکن معتمد خان کی تحریر سے شاہ جہاں کی طرفداری اورنور جہاں کے لیے عداوت کا اظہار ہوتا ہے۔بہر حال یہ کتاب حقائق اور عینی شواہد پر مشتمل ہے۔

عمل صالح

محمد صالح کنبوہ کی یہ تصنیف شاہ جہاں کے عہد حکومت کے واقعات کی مفصل تاریخ ہے،لیکن نور جہاں کی اقتدار اور رسوخ کے متعلق بھی ہمیں نئی روشنی ملتی ہے۔لیکن اس کی تحریر سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نور جہاں کا مخالف اور شاہ جہاں کا طرف دار تھا۔مخطوطہ اور مطبوعہ دونوں نسخے سے استفادہ کیا گیا ہے۔

امینائی قزوینی کا بادشاہ نامہ

شاہ جہاں کے عہد کی یہ پہلی تفصیلی تصنیف ہے جسے افضل خان کے پروردہ امینائی

قزوینی نے لکھی۔ بادشاہ نامہ کی زبان سلیس اور دلکش ہے۔ مصنف شاہ جہاں کے لیے نرم گوشہ رکھتا ہے، تو دوسری طرف نور جہاں کو بُرے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ چنانچہ شاہ جہاں کی بغاوت کے لیے نور جہاں کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔

خلاصۃ التواریخ

پٹیالہ کے رہنے والے سُجن رائے کھتری (بھنڈاری) کے ذریعہ 96-1695 میں یہ کتاب لکھی گئی۔ دلّی کے ظفر حسن نے اس کی تالیف کی اور شائع ہوئی۔ اس کا قلمی نسخہ پٹنہ کے خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری میں محفوظ ہے۔ نور جہاں کی زندگی اور کامیابی کی اس میں تفصیلی داستان ہے۔

لاہوری کا بادشاہ نامہ

عبدالحمید لاہوری بھی شاہ جہاں کا درباری مؤرّخ تھا اور اس نے شاہ جہاں کی حکومت کے ابتدائی بیس سال کے تفصیلات کو پیش کیا ہے۔ نور جہاں کی وفات کے علاوہ اس کے دیگر حالات کو بھی قلم بند کیا ہے۔ لیکن اس کی تحریر میں نور جہاں کے لیے عداوت کا عنصر پایا جاتا ہے۔

منتخب اللباب

اس ضخیم تاریخی کتاب کا مصنف محمد ہاشم خافی خان ہے جسے اس نے اٹھارھویں صدی کی چوتھی دہائی میں قلم بند کیا۔ اس کی تالیف کبیرالدین احمد نے کی اور ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے ذریعہ شائع ہوئی۔ کتاب کی پہلی جلد جہانگیر کے عہد کے متعلق ہے جس میں مصنف نے جہانگیر اور اس کی حکومت پر نور جہاں کے بڑھتے ہوئے رسوخ کو اجاگر کیا ہے۔ یہ پہلا مصنف ہے جس نے شاہ جہاں کے اس خط کو روشنی میں لایا ہے جس میں شاہ جہاں نے اپنے والد جہانگیر سے احتجاج کے طور پر امور سلطنت میں نور جہاں کے بڑھتے ہوئے رسوخ اور مداخلت کا ذکر کیا ہے۔ اس خط کی فوٹو کاپی کو مع ترجمہ ضمیمہ میں پیش ہے۔ خافی خان کی تحریر سے نور جہاں کے لیے اس کی مخالفت کا

اظہار ہوتا ہے۔ یہ نسخہ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر کی لائبریری میں بھی محفوظ ہے۔

مآثر الامرا

مآثر الامرا بابر سے لے کر اٹھارھویں صدی کے آٹھویں دہائی تک مغل امرا کی قابل قدر سوانحی خاکہ ہے جسے شاہنواز خاں اور اس کے لڑکے عبدالحق نے قلم بند کیا ہے۔ بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی نے اسے تین جلدوں میں شائع کیا ہے ہنری بیورتج کے ذریعہ اس کا انگریزی ترجمہ ہوا ہے۔ اردو ترجمہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

ذخیراۃ القوانین

شیخ فرید بھکّاری نے ذخیراۃ القوانین شاہ جہاں کے عہد میں 1650 میں تحریر کی۔ مصنف نے نور جہاں کے اقتدار اور رسوخ کے ساتھ ساتھ سماجی، ثقافتی و ادبی خدمات کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

مفتاح التواریخ

ٹامس ولیم بیل کی مفتاح التواریخ 1819 میں شائع ہوئی، اس میں نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے ایشیا کے بادشاہوں، شاعروں، امرا اور اہم شخصیتوں کے مختصر حالات زندگی پیش کیے گئے ہیں۔ نور جہاں کی زندگی اور اس کے ادبی خدمات کا بھی اس میں تذکرہ ملتا ہے۔

مندرجہ بالا فارسی تواریخ کے علاوہ میں نے دیگر ہم عصر اور بعد کی فارسی زبان میں دستیاب اہم ادبی کتابوں سے بھی اس سلسلے میں استفادہ کیا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

(1) بقا محمد کی میرأۃ العلم
(2) دولت سرخوش کی تذکرۃ الشعرا
(3) حسین قلی خان کی نشتر عشق
(4) علی اکبر دہخدا کی لغت نامہ

(5) احمد علی ہاشمی کی مخزن الغرائب

(6) چتر من رائے کی چہار گلشن

(7) کیول رام کی تذکرۃ الامرا

(8) علی بیگ اطہر کی آتش کدہ

(9) محمد سرخوش کی کلیات الشعرا

(10) محمد صادق کی صبح صادق

(11) شیر خان لودی کی میرأۃ الخیال

(12) علی محمد تبریزی کی ریحانۃ الادب

جہاں تک کچھ دیگر ہم عصر راجپوت ذرائع کی بات ہے تو راجپوتانہ کے پھلودی کھیات کا ذکر بھی لازمی ہے۔ ایل پی ٹیسی ٹوری کی یہ رپورٹ جس میں کچھ اہم تاریخی معلومات پیش کی گئی ہے، ان سارینکل اینڈ بارڈک سروے آف راجپوتانہ میں درج ہے۔ ایشاٹک سوسائٹی آف بنگال نے اپنے جنرل پندرہ اور شمارہ ایک میں اس کی کچھ عبارتیں انگریزی میں شائع کی ہے۔

علم تعمیرات اور علم فن کتبہ سے متعلق ذرائع میں سب سے اہم آگرہ میں اعتماد الدولہ کا مقبرہ اور لاہور کے شاہ درا میں جہانگیر کا مقبرہ ہے، جسے نور جہاں نے اپنی زندگی میں بنوایا۔ ان دونوں عمارتوں کی خوب صورتی ملکہ کی اعلیٰ فنی اور تعمیری صلاحیتوں کو ظاہر کرتا ہے۔

علم فن کتبہ Epigraphical سے متعلق ذرائع میں خود نور جہاں کا مقبرہ اور اس پر لکھا ہوا کتبہ بہت ہی اہم ہے۔ اس کے متعلق یہ تصور کیا جاتا ہے کہ یہ خود اس کے اشعار ہیں۔ بہر حال یہ کتبہ پوری طرح سے رنج و غم اور رقّت (Pathos) سے لبریز ہے اور اس سے بعد کے حالات اور تاریخ کی نشان دہی ہوتی ہے۔

لیکن سب سے اہم ذریعہ جس سے نور جہاں کے تزک و احتشام پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے وہ ہے اس کے نام کا سکّہ جس پر یہ شعر کندہ ہے: ع

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور
بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر

پرانے شبیہہ ونقوش جوروشنی میں آئے ہیں، وہ پٹنہ کے خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری اور پٹنہ میوزیم کے علاوہ دوسری جگہوں میں محفوظ ہیں، نور جہاں کے غیر معمولی اختیارات اور اقتدار کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

جہاں تک عصر جدید میں دریافت دو ایک نادر فارسی نسخے کی بات ہے تو اس میں دو اہم ہیں۔ اوّل ہے۔''نسخہ جہانگیری'' جو پٹنہ یونیورسٹی کے لائبریری میں محفوظ ہے۔ اور جس کی دریافت شہرۂ آفاق مورّخ ڈاکٹر سید حسن عسکری نے کی ہے۔ اس نسخے میں شہزادہ سلیم اور مہرالنساء کے درمیان ابتدائی معاشقہ کا ذکر ہے۔ لیکن چونکہ اس نسخے میں مصنف کا نام اور تحریر کی تاریخ وسال گم ہے اس لیے اس کی صداقت مشکوک ہے۔

دوسرا اہم قلمی نسخہ حیدر ملک کی ''تاریخ کشمیر'' ہے، جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سمینار لائبریری میں محفوظ ہے۔ پٹنہ کے خدابخش لائبریری میں تھوڑا فرق کے ساتھ یہ نسخہ موجود ہے۔ علی گڑھ کا نسخہ فوٹوفلم پر مشتمل ہے جسے پروفیسر نورالحسن نے اپنی وزارت تعلیم کے دوران پیرس سے منگوایا۔ حیدر ملک قطب الدین خاں کے جلوداروں میں سے ایک تھا۔ اس نے قطب الدین خاں اور شیر افگن کے قتل کا چشم دید واقعہ قلم زد کیا ہے جسے اب تک کسی دوسرے ذرائع سے پیش نہیں کیا گیا ہے۔

مغربی سیاّح

سترھویں صدی میں کافی بڑی تعداد میں یوروپی سیاّح ہندوستان آئے۔ مغل دربار میں قیام کیا اور ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کیا۔ قیام کے دوران جو کچھ ان کے علم وعمل میں آیا اس کو انھوں نے قلم بند کیا۔ لیکن ان کے بیانات کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان میں بعض سیاح کم تعلیم یافتہ تھے۔ عقل وفراست کی کمی تھی تو دوسری طرف کچھ تنگ نظری کے بھی شکار تھے۔ مستند اطلاعات تک ان کی رسائی نہیں تھی اس لیے ان کے سبھی بیانات کو مستند نہیں مانا جاسکتا۔ انھوں نے افواہ اور بازاری گپ شپ کو زیادہ قلم بند کیا ہے پھر بھی کچھ سیاّحوں اور ان کے بیانات کا ذکر لازمی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

سر ٹامس رو

جہانگیر کے عہد میں ہندوستان آنے والے غیر ملکی سیاحوں میں سر ٹامس رو کا نام سب سے نمایاں ہے۔ ستمبر 1616 میں وہ ہندوستان آیا۔ مختلف جگہوں کا دورہ کیا اور جہانگیر کے دربار میں بھی مقیم رہا۔ لیکن وہ انگلستان اور مغلیہ سلطنت کے درمیان معاہدہ حاصل کرنے کی کوشش میں ناکام رہا۔ اس نے سب سے پہلے دربار میں ''نور جہاں گروہ'' کے وجود کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فرانسسکو پیلزرٹ

ڈچ فیکٹری کے گماشتہ کی حیثیت سے 1620 میں وہ ہندوستان آیا اور 1627 کے اواخر میں ہالینڈ واپس چلا گیا۔ اس کی کتاب '' ریمانسٹران ٹائی'' اس کے سات برسوں کے مشاہدات کا ریکارڈ ہے۔ دیگر تفصیلات کے علاوہ وہ مختصر میں نور جہاں کا بھی ذکر کرتا ہے۔

جان ڈی لیٹ

حقیقی معنوں میں اس کا شمار مغربی سیاحوں میں نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس نے کبھی بھی ہندوستان کا سفر نہیں کیا۔ اس کی کتاب ''دی ایمپائر آف دی گریٹ موگول'' صحیح معنوں میں سترھویں صدی کے چوتھائی دہائی میں سورت میں رہنے والے ڈچ فیکٹری کے مالک پیٹر وان ڈن بروک کے ذریعہ کرائی گئی مختلف اطلاعات کو یکجا کر قلم بند کیا گیا ہے۔

گرچہ ڈی لیٹ نے جہانگیر اور نور جہاں سے شادی کے متعلق بہت ہی دلچسپ بیان پیش کیا ہے۔ لیکن اس کا بیان حقیقت پر مبنی نہیں معلوم پڑتا۔

پیٹر و ڈیلا ویل

یہ ایک اطالوی سیاح تھا جو 1623 میں ہندوستان آیا اور 1625 میں واپس چلا گیا۔ گرچہ وہ جہانگیر سے نور جہاں کی شادی کے متعلق بہت ہی دلچسپ اطلاع فراہم کراتا ہے لیکن اس کے بیانات بازاری افواہ اور گپ شپ پر مشتمل معلوم ہوتے ہیں۔

پیٹر منڈی

وہ 1628 میں ہندوستان آیا۔ ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کرنے کے بعد 1634 میں اپنے ملک واپس ہو گیا۔ اپنی کتاب ''ٹریولیس دوئم'' میں وہ شیر افگن کے قتل، نور جہاں کے قید ہونے اور دیگر اطلاعات کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن اس کی زیادہ تر اطلاعات افواہ اور بازاری خبروں پر مشتمل ہیں۔

نکولس منوچی

سترھویں صدی کے مغربی سیاحوں میں وینس کے رہنے والے منوچی کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ ایک عرصے تک وہ ہندوستان میں رہا اور مختلف لوگوں کی ملازمت اختیار کیا۔ کئی شہزادے اور امراسے دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ اس کی کتاب ''اسٹوریو دوموگور'' ہندوستان سے متعلق مختلف اطلاعات پر مشتمل ہے۔ نور جہاں کا بھی اس نے اپنی کتاب میں تذکرہ کیا ہے۔ لیکن اس کے بیانات تجزیہ کی کسوٹی پر کھرے نہیں اترتے اور بازاری گپ شپ زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔

فرانکوئس برنیر

برنیر 1658 میں ہندوستان آیا۔ جہانگیر کے عہد کے کئی داستان اس نے پیش کیا ہے۔ شہزادہ سلیم اور مہرالنسا کی محبت کا ذکر بھی اپنے تفصیلات میں کیا ہے اس کے مطابق شیر افگن جہانگیر کے چچازاد بھائی کے ذریعہ مارا گیا۔

ایڈورڈ ٹیری

انگلستان کا رہنے والا یہ شخص پادری کی حیثیت سے 1618 میں ہندوستان آیا اور 1619 میں اپنے ملک واپس چلا گیا۔ ٹیری کے سفرنامے سے ہمیں جہانگیر کے عہد کے مختلف حالات کا علم ہوتا ہے۔ اس کی زیادہ تر عبارتیں ''پرچاز'' میں شائع ہوئی ہیں۔

مندرجہ بالا مغربی سیاحوں کی تفصیلات کے علاوہ ہندوستان میں مقیم انگلش انڈیا کمپنی

اور انگلش فیکٹریز ان انڈیا کے ملازموں کے ذریعہ اپنے مالکوں کو لکھے گئے خطوط جس میں انھوں نے بالواسطہ اس عہد کے مختلف واقعات کا ذکر کیا ہے اس سے بھی کچھ اہم واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

جدید مآخذ

مغلیہ عہد کے متعلق عصر جدید میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئیں سبھی کتابوں میں کم وبیش نور جہاں کا ذکر ہے۔ ویسے تو مفید کتابوں کا ذکر اسناد میں کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہاں پر خصوصی طور پر ان کتابوں کی فہرست پیش کی گئی ہے جس سے اس مقالہ کی تحریر میں کافی مدد ملی ہے:

- ☆ بیل کی اورینٹل بائیوگرافیکل ڈکشنری
- ☆ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا۔ جلد ششم
- ☆ ڈاکٹر اے، ایل شری واستو کی مغل ایمپائر
- ☆ ڈاکٹر آر، پی تر پاٹھی کی رائز اینڈ فال آف مغل ایمپائر
- ☆ مسز چندرا پنت کی نور جہاں اینڈ ہر فیملی

علاوہ ازیں کچھ سوانح عمری سے بھی اس سلسلے میں کافی استفادہ حاصل کیا گیا ہے جیسے:

- ☆ وی اے اسمتھ کی ''دی اکبر''
- ☆ ڈاکٹر بینی پرشاد کی ''ہسٹری آف جہانگیر''
- ☆ ڈاکٹر بی۔ پی سکسینہ کی ''ہسٹری آف شاہ جہاں آف دہلی''
- ☆ ڈاکٹر سر جادوناتھ سرکار کی ''ہسٹری آف اورنگ زیب''

لیکن ان سبھی میں ڈاکٹر بینی پرشاد کی ''ہسٹری آف جہانگیر'' سے بہت زیادہ استفادہ ہوا ہے۔

اس کے علاوہ انگریزی اور اردو میں دستیاب کچھ عام کتابوں سے بھی اس مقالہ کی تحریر میں افادہ ہوا ہے جیسے:

- ☆ ماؤنٹ اسٹوورٹ ودیگر کی ''نور جہاں''
- ☆ اردو میں امجد علی اشہری کی ''نور جہاں بیگم کی سوانح عمری''
- ☆ اردو میں احمد علی قاسمی کی ''نور جہاں''

جرنلس اور جرائد

اس مقالہ کی تحریر میں مختلف جرنلس وجرائد میں شائع مندرجہ ذیل مقالہ سے کافی استفادہ ہوا۔

- ☆ ایس ایس ہودی والا کا مقالہ ''کوائنس بیرنگ دی نیم آف نور جہاں'' جو بنگال کے ایشاٹک سوسائٹی کے 1929 کے شمارہ تیرہ میں شائع ہوا۔
- ☆ محمد یاسین کا مقالہ '' جہانگیر اور نور جہاں'' جو ہسٹاریکل کوائرلی کے جلد چودہ شمارہ چار میں شائع ہوا۔
- ☆ افتخار احمد خان غوری کی ''جہانگیرس ریسپاؤن سیبلیٹی فار دی مڈر آف شیر افگن'' جس کی اشاعت پاکستان ہسٹوریکل کانفرنس'' کے ذریعہ لاہور میں 1952 میں ہوئی۔
- ☆ ڈاکٹر پروفیسر نورالحسن کا شہرۂ آفاق مقالہ ''دی تھیوری آف نور جہاں جنتا'' جس کی اشاعت 1958 کے تری وندرم ہسٹاریکل کانگریس میں ہوئی۔
- ☆ نور جہاں کے اصلی اور نقلی اشعار کے متعلق قاضی عبدالودود کا مضمون جو جولائی 1962 میں معاصر پٹنہ میں شائع ہوا۔

ویسے تو یہ مقالہ ہم عصر ذرائع جو فارسی زبان یا ترجمہ کی شکل میں دستیاب روزنامچے۔ قلمی نسخے اور ادبی کتابوں اور مغربی سیاحوں کے بیانات کا غائر مطالعہ کرنے اور تجزیہ کرنے کے بعد تیار کیا گیا ہے۔ لیکن کچھ مقامات پر دیگر جدید ذرائع سے بھی استفادہ کیا گیا ہے لیکن اس سلسلے میں کافی چھان بین کرنے کے بعد مفید مواد کو ہم عصر ذرائع کے شواہد کی شکل میں استعمال کیا گیا ہے۔

☆☆☆

موجودہ تصنیف مقدمہ اور خلاصہ کے علاوہ گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ خلاصہ میں نور جہاں کی زندگی، کردار اور خدمات کے ساتھ ساتھ مغلیہ شہنشاہ اور مملکت پر اس کے اثرات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

باب اوّل میں نور جہاں کے آباؤ اجداد کے تذکرہ کے علاوہ اس کا اصلی نام، جائے پیدائش و تاریخ پیدائش اور شیر افگن کے ساتھ اس کی شادی وغیرہ کی تفصیلی جانکاری ہے۔ چونکہ وقت کے ساتھ ان ساری حقیقتوں نے مجازی شکل اختیار کر لی تھی اس لیے اس کا تجزیہ کر تاریخی ذرائع اور ماخذ کی بنیاد پر اسے پیش کیا گیا ہے۔

باب دوئم میں شیر افگن کی موت کا ذکر ہے۔ اس بات کی مخلصانہ کوشش کی گئی ہے کہ مختلف تضاد کو ختم کر حقیقت کی بنیاد پر شیر افگن کے قتل کی وجوہات پیش کی جائے اور باریکی سے حقائق کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اس قتل میں جہانگیر بالکل ملوث نہیں تھا۔

باب سوئم میں شہزادہ سلیم کی مہر النسا کے ساتھ ابتدائی عشق و محبت کی داستان کے اوپر سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور ہم عصر تاریخی ذرائع کا منصفانہ تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان کسی طرح کے ابتدائی عشق و محبت کا رشتہ نہیں تھا۔

باب چہارم میں جہانگیر کی مہر النسا کے ساتھ شادی کا ذکر ہے۔ جہانگیر نے مہر النسا سے شادی کے بعد اس کی والہانہ محبت اور جانثاری سے متاثر ہو کر اسے نور محل اور پھر نور جہاں کے

لقب سے نوازا۔

باب پنجم میں نور جہاں کا بادشاہ بیگم کی حیثیت سے غیر معمولی اعزاز اور شان وشوکت و طمطراق کا ذکر ہے۔ گرچہ مورخین نے نور جہاں پر یہ الزام تراشی کی ہے کہ بادشاہ بیگم کی حیثیت سے امور سلطنت پر قابض ہوگئی۔ لیکن تاریخی حقائق کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بے شک نور جہاں نے بادشاہ بیگم کی حیثیت سے غیر معمولی عزت ومرتبہ حاصل کرلیا تھا لیکن اقتدار پر قابض نہیں ہوئی تھی۔

باب ششم میں ''نور جہاں گروہ'' کا تاریخی تجزیہ ہے۔ گرچہ مورخین کے درمیان اس سلسلے میں کافی تضاد ہے لیکن ہم عصر تاریخی حقائق اور بالخصوص پروفیسر نورالحسن کے مقالہ کا جو 1958 میں تری وندرم کے انڈین ہسٹری کانگریس میں پیش کیا گیا، اس کے منصفانہ وناقدانہ مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نور جہاں ''گروہ'' کا تصور تاریخی حقائق پر مبنی نہیں تھا۔

باب ہفتم میں تفصیل میں مہابت خان کی یورش اور نور جہاں کے مدبرانہ اور سیاسی وفوجی حکمت عملی کا ذکر ہے جس کے بنا پر مہابت خان کی قید سے جہانگیر کو آزاد کرایا گیا۔

باب ہشتم میں جہانگیر کی موت کے بعد نور جہاں کی پریشانیوں، شاہ جہاں کی تخت نشینی کے بعد نور جہاں کے اثر ورسوخ اور طمطراق کا خاتمہ اور اس کے آخری ایام کا تذکرہ ہے۔ ہم عصر تاریخی حقائق کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اس دور میں لوگ اعلیٰ اصول واسباب کے لیے نہیں بلکہ ایک شخص کے لیے لڑتے تھے۔ نفسیاتی طور پر گوشت پوست کا آدمی بہ نسبت غیر مرئی خیال کے زیادہ قابل توجہ تھا اور وقت کی تبدیلی کے ساتھ ان کے مقاصد اور وفاداری میں بھی تبدیلی ہوجاتی تھی۔ اسی باب میں جہانگیر کی موت اور شاہ جہاں کی تخت نشینی کے بعد نور جہاں کے اثر ورسوخ اور تزک واحتشام کے خاتمہ کا بھی ذکر ہے۔

باب نہم میں نور جہاں کے ثقافتی اور سماجی خدمات کا مفصل تذکرہ ہے۔

باب دہم میں نور جہاں کے غیر معمولی ادبی خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے اس کے ادبی خدمات سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف شعر وسخن کی ملکہ تھی بلکہ ادیبوں اور شاعروں کی سرپرست بھی تھی۔

باب اوّل

نور جہاں کے آباواجداداور ابتدائی زندگی

> ''خدا نے اسے بے انتہا خوب صورت اور جاذب نظر بنایا تھا وہ خوش مزاج، پرکشش اور اعلیٰ اخلاق کی مالک تھی''۔ معتمد خان

نور جہاں کا نام ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی خواتین میں سب سے ساحرانہ اور مشہور نام ہے۔ وہ جہانگیر کے دل و دماغ پر پوری طرح چھا گئی اور پورے پندرہ برس تک مغلیہ عہد کی سب سے طاقتور اور نمایاں شخصیت بنی رہی۔ تاریخ کے صفحات کے علاوہ اس کا نام ملک اور بیرون ملک افسانہ اور ناول کی دنیا میں بھی پہنچ گیا۔ یہ بہت ہی دلچسپ بات ہے کہ ''نور جہاں'' اس کا اصلی نام نہیں تھا بلکہ جہانگیر کے ذریعہ نوازا گیا اعزازی خطاب تھا جس نے اس کے اصلی نام (مہرالنسا) کو پس پردہ کر دیا۔

جہاں تک اس کے آباواجداد کی بات ہے تو اس کے خاندان کا تعلق ایران سے تھا۔ اس کا دادا خواجہ محمد شریف ایران (1) کے تہران کا باشندہ تھا۔ ''ریحانۃ الادب'' کے مصنف کے بقول

چونکہ اس پیدائش و پرورش یزد میں ہوئی اس لیے وہ یزدی (2) کے نام سے مشہور ہو گیا۔"
بہر کیف وہ خوش اخلاق، شریف، (3) ذہین۔ حاضر جواب (4) اور باطنی خوبیوں (5) کا مالک تھا۔

اپنے والد کے موت کے بعد وہ خراسان آ گیا اور تاتار سلطان (6) بن محمد خاں شرف الدین تکلو جو خراسان کے بیگلر بیگی کے دفتر کا ذمہ دار تھا کا وزیر بن گیا۔ اپنی ایمانداری، وفاداری اور باطنی صلاحیت سے اس نے اپنے مالک کو کافی متاثر کیا اور اس عہدہ پر تاتار سلطان کے وارث قزق خان کے دور حکومت تک فائز رہا۔ لیکن قزق خان کی موت کے بعد اس نے شاہ طہماسب صفوی کی ملازمت اختیار کر لی اور قریب سات (7) برسوں تک یزد، ابرقو اور بیوتا تگ کی وزارت سے منسلک رہا (8)۔ اس نے اس سرکاری فرائض کو بڑی صلاحیت اور دانائی سے انجام دیا۔ اس کو اس کے خدمات کے انعام کی شکل میں نہ صرف دربار کا ایک رکن بنایا گیا بلکہ دارالسلطنت اصفہان (9) کے وزیر کے عہدہ پر بھی فائز کیا گیا۔ اس نے اس سرکاری فرائض کو اپنی موت یعنی 984ھ بمطابق 1576 (10) تک انجام دیا۔

ایک قابل غور بات یہ ہے کہ شیر شاہ کے ہاتھوں 1540 میں قنوج کی لڑائی میں شکست کھانے کے بعد جب مغل بادشاہ ہمایوں تہران گیا تو ایرانی بادشاہ شاہ طہماسپ صفوی کی ہدایت پر شرف الدین خان تکلو نے "فرح" نامی مقام پر اپنے امرا اور درباریوں کو ہمایوں کے استقبال کے لیے بھیجا اور صفوی شہنشاہ نے تکلو کو خاص طور سے اپنے شاہی مہمان (11) کے آرام و آسائش کا خیال رکھنے کے لیے مقرر کیا۔

خواجہ محمد شریف ایران کے ایک معزز خاندان (12) آقا ملا دوات دار قزوینی سے بھی تعلق رکھتا تھا جس کی شادی آقا ملا کی لڑکی سے ہوئی تھی۔

خواجہ محمد شریف کے دو بھائی تھے خواجہ مرزا احمد اور خواجگی خواجہ (13)۔ امین رازی جو ہفت اقلیم کا مشہور و معروف مصنف ہے اسی خواجہ احمد کا لڑکا تھا۔

خواجہ محمد شریف کے دو لڑکے تھے۔ خواجہ محمد طاہر جس کا تخلص وصلی تھا اور مرزا غیاث الدین عرف غیاث بیگ۔ وصلی بے تکلف، وسیع الذہن اور قابل (14) آدمی تھا۔ جہاں

تک مرزا غیاث بیگ کی بات ہے تو وہ ایران کے اہم شخصیتوں میں سے تھا۔ غیاث بیگ حسن انشا ومعاملہ فہمی کے علاوہ نہایت نیک طبیعت، شریف، ذہین اور کارگذار تھا۔ قدما کے طرز اشعار کا تتبع کرتا تھا۔ خط شکستہ بہت عمدہ لکھتا تھا، سرکاری حساب و کتاب ہمیشہ درست رکھتا تھا۔ اقامت ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد اس کا تمام وقت شعر وسخن میں صرف ہوتا تھا۔ اہل حاجت کے ساتھ اس کا سلوک اتنا اچھا تھا کہ کوئی صاحب غرض اس کے گھر سے آزردہ نہ گیا۔ اس کے یہاں زنجیر، کوڑے اور گالی کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ سزا یافتہ کو بچا تا تھا'' خاص طور سے ویسے لوگوں کو جس کو موت کی سزا ہوتی تھی۔ لیکن رشوت لینے میں بہت دلیر (15) اور بے باک تھا۔

اس حقیقت سے سبھی آشنا ہیں کہ مغل بادشاہان نسلی امتیاز اور مذہبی تعصب سے آزاد تھے۔ زندگی کے ہر شعبے میں بلا کسی امتیاز کے ان کی سر پرستی کی وجہ سے ایران اور دوسرے مما لک سے بڑی تعداد میں لوگوں نے ہندوستان آ کر مغلیہ سلطنت میں اپنی صلاحیت اور جوہر کا مظاہرہ کر اپنے لیے موزوں مقام حاصل کیا۔

درحقیقت مغربی اور سنٹرل ایشیا سے مسلمانوں کے ہندوستان ہجرت کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

(1) ترک رغلام جس کو سلاطین ہند نے اپنے لشکر میں ملازمت کے لیے خریدا۔ یہاں پر ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ دلی کے کئی سلطان اپنی زندگی کے ابتدا میں غلام تھے۔

(2) تاجروں کا وہ طبقہ جنھوں نے اپنے تجارت کے فروغ کے لیے ہندوستان کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنایا۔

(3) مسلمان مبلغ جو ہندوستان میں مذہب کی تبلیغ کے لیے آئے۔

(4) حملہ آور جس میں عرب، ترک، افغان اور مغل سبھی شامل تھے۔

(5) فوجی اور قسمت آزما لوگ جنھوں نے کسی نہ کسی جواز سے اپنے ملک کو خیرآباد کیا اور ہندوستان میں مستقل طور پر نہ صرف مقیم ہو گئے بلکہ دربار اور حکومت میں اعزازی مقام بھی حاصل کیا۔

جہاں تک مغلوں اور ایرانیوں کے تعلقات کی بات ہے تو بابر کے عہد سے اس کی

شروعات دیکھنے کوملتی ہے۔ یہ ایرانی بادشاہ شاہ اسمٰعیل صفوی ہی تھا جس نے دسمبر 1510 میں مروان کی لڑائی میں نہ صرف شیبانی خان از بیگ کو جنگ کے میدان میں ختم کیا بلکہ بابر کی بہن خانزادہ بیگم کو جسے شیبانی خان (16) نے زبردستی قید کر شادی کر لی تھی، آزاد کرایا اور بہن کو بھائی سے ملایا۔

مرزا غیاث بیگ کے آباواجداداور دیگر اقربا جنھوں نے ہندوستان ہجرت کی اور اکبر کی سرپرستی حاصل کی ان میں غیاث الدین علی آصف خان اور آصف خان جعفر بیگ کا نام قابل ذکر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غیاث بیگ کے خاندان کے لوگوں کی ابتدائی ہجرت نے ضرور ہی بعد کے لوگوں کو خوش آئند مستقبل کی امید میں ہندوستان آنے کی ترغیب دی ہوگی۔ بہر حال ہم عصر مورخین مرزا غیاث بیگ کے ہندوستان آمد کے اسباب کے معاملے میں خاموش ہیں۔ بعد کے مورخین میں صرف خافی خان کا کہنا ہے کہ ''مرزا غیاث بیگ جو کہ حاکم خراسان کے منصب پر فائز تھا حکومت کا باقی دار (17) بن گیا''

بہر کیف غیاث بیگ اپنی حاملہ بیوی (18) دو فرزند (19) اور ایک دختر کے ہمراہ ملک مسعود (20) کے کارواں میں ایران سے اکبر (21) کے دور حکومت میں ہندوستان کے لیے روانہ ہوا۔ ہندوستان کے سفر کے دوران اس نے ''آدھی دوری'' بھی طے نہیں کی تھی کہ کارواں راہزنی کا شکار ہو گیا اور غیاث بیگ کو اپنے سبھی لوازمات (22) گنوانے پڑے۔ قندھار (23) پہنچنے پر اس کی بیوی نے دوسرے بچے کو جنم دیا۔ یہی مہرالنسا تھی جو بعد میں نور جہاں کے نام سے مشہور ہوئی۔ گرچہ اس کی پیدائش کے کوئی مخصوص مقام کا ذکر ہم عصر اور بعد کے تواریخ میں نہیں ہے لیکن ہم عصر اور بعد کے مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اس کی پیدائش قندھار (24) میں 984ھ بمطابق 1577 (25) میں ہوئی۔

خافی خان کے مطابق روپے پیسے کی کمی اور سفر کی تکلیفات کی وجہ سے مرزا غیاث بیگ کی بیوی عصمت بیگم اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ خود اپنی چھاتی سے اپنے نوزائیدہ بچی کو دودھ فراہم کرنے کے لائق نہیں تھی۔ دوسری طرف بچی کے لیے دوسرا انتظام کرنے میں اہل خانہ اس قدر نااہل تھے کہ مجبوراً اس نے بچی کو کپڑے میں لپیٹ کر رات کے وقت (26) راستے پر چھوڑ دیا۔

خافی خان مزید کہتے ہیں کہ جب کارواں سفر کے لیے روانہ ہوا تو میر کارواں ملک مسعود نے راستے میں بچی کے رونے کی آواز سنی۔ اس نے بچی کو اٹھالیا۔ اس کی خوب صورتی سے اتنا متاثر ہوا کہ اس کی پرورش کا ارادہ بنالیا اور غیر دانستہ طور پر خود اس کی ماں کو اس کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری سونپی اور ہر طرح کی سہولت (27) فراہم کی۔

گرچہ خافی خان کے بیان کی تائید پٹنہ یونیورسٹی میں محفوظ ایک قلمی نسخہ ''نسخۂ جہانگیری یا محامد سلطان جہانگیر بادشاہ'' سے ہوتی ہے لیکن چونکہ اس مخطوطہ میں مصنف کا نام اور تحریری سال نہیں ہے اس لیے اس کی صداقت سوالیہ نشاں کے دائرے میں ہے۔

بہر حال مرزا غیاث بیگ کی افسوس ناک حالات نے ملک مسعود کو متوجہ کیا اور اس نے غیاث بیگ کو فوری طور پر مختلف مسائل سے چھٹکارا دلایا۔ مرزا غیاث بیگ کی غیر معمولی خوبیوں کی وجہ سے ملک مسعود کی اس سے دوستی ہوگئی اور ہندوستان پہنچنے پر ملک مسعود نے فتح پور سیکری میں غیاث بیگ کو اکبر کی خدمت میں پیش کیا اور ایک مناسب ملازمت (28) کی سفارش کی۔

اکبر نے اپنی غیر معمولی مردم شناسی کی خوبیوں کی بنا پر غیاث بیگ کی صلاحیت اور ذہانت کو پہچان لیا۔ غیاث بیگ جلد اپنی شرافت، حسن سلوک کے لیے مشہور ہوگیا۔ اس نے اپنی شناخت نہ صرف ایک اچھے ناظم بلکہ ادبی شخصیت کی حیثیت سے بھی کرالی۔ اس لیے اکبر نے شاہی ملازمت میں تین سو (29) کے منصب سے سرفراز کیا۔ کچھ دنوں کے بعد اسے کابل کا دیوان (30) بنایا گیا۔ وقت کے ساتھ اپنی محنت، ذہانت اور صلاحیت کے باعث ترقی کی منزل طے کرتا گیا۔ 1003ھ بمطابق 1595 میں دیوان بیوتات (31) بنایا گیا۔ اور 1605 کے اواخر میں جہانگیر کی طرف سے اسے اعتمادالدولہ کے خطاب (32) سے نوازا گیا۔

مغلیہ عہد میں تعلیم نسواں کو نظر انداز تو نہیں کیا گیا لیکن یہ شہزادیوں اور امرا کی خواتین تک ہی محدود تھی۔ تعلیم نسواں کے لیے علاحدہ کوئی تعلیم گاہ مخصوص نہیں تھا۔ عام طور پر ابتدائی تعلیم اپنے والدین سے ہی حاصل کرتی تھیں۔ امرا اتالیق رکھتے تھے جو گھر پر آکر لڑکیوں کو تعلیم دیتے تھے۔ ''قانون اسلام'' کے مصنف کے مطابق عموماً لڑکیاں قرآن پاک اور دیگر ابتدائی تعلیم (33) حاصل کرتی تھیں۔ علاوہ ازیں مغلوں میں یہ رسم تھی کہ جب بچہ چار برس چار ماہ اور چار دن (34)

کی عمر کا ہو جاتا تھا تو اس کے مکتب کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ اور اس طرح باضابطہ طور پر تعلیم کی شروعات ہو جاتی تھی۔

مغلوں کے اس رسم سے متاثر ہو کر مندرجہ بالا عمر کے حصول کے بعد مہرالنسا کے والدین نے غالباً اس کی تعلیم شروع کرائی ہوگی۔ بہرحال نور جہاں کے بعد کی تعلیمی وثقافتی قابلیت وصلاحیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ مہرالنسا کی نشو ونما اپنے والدین کی مشفقانہ نگرانی اور تعلیم وتربیت کے ساتھ ہوئی۔

مہرالنسا جسمانی خوب صورتی کے ساتھ ساتھ مختلف ذہنی وفکری خوبیوں کی بھی ملکہ تھی۔ مثلاً حاضر جوابی، ذہانت، معاملات فہمی، اور عقل وفراست، حکمت وفلسفہ میں اپنے ہم عصر میں یکتا تھی۔ سوجن رائے بھنڈاری نے اپنی مشہور کتاب خلاصۃ التواریخ میں اس کے رخ زیبا، عارض، ابرو، قد وقامت، ودیگر جسمانی خوبیوں (35) کا تفصیلی خاکہ پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر بینی پرشاد کے لفظوں میں............

> ''قدرت نے اسے تیز فہمی، باریک بینی، ہمہ گیر ذہانت اور معقول عقل و فراست سے نوازا تھا، تعلیم نے اس کی فطری صلاحیتوں کو اور زیادہ روشن کر دیا تھا۔''(36)

مہرالنسا کی خوبیوں کے متعلق ڈاکٹر آر، پی تر پاٹھی کا قول ہے:

> ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیاث بیگ نے مہرالنسا کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی تھی۔ فطری خوب صورتی کے ساتھ ساتھ وہ دلکش اطوار کی بھی ملکہ تھی۔ اس کی حاضر دماغی، خوش مزاجی اور بلند اخلاق اور تیز ذہانت نے شاہی خاندان کی مستورات اور امرا کی خواتین کے درمیان محبوب بنا دیا تھا۔''(37)

بہرحال مہرالنسا ایک دلکش (38)، جاذب نظر، بیضای نقوش (39)، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی نیلگوں آنکھیں، باریک لب اور اچھی صحت (40) کے ساتھ حسین وجمیل دوشیزہ کی صورت میں پروان چڑھی اور جب وہ اپنی جوانی کے شباب پر تھی تو اکبر (41) کے حکم کے مطابق سترہ (42) سال کی عمر میں 1594 میں علی قلی بیگ استجلو سے (43) سے اس کی شادی ہوگئی۔

شادی کے بعد وہ اپنے شوہر کے ساتھ بردوان چلی گئی اور اپنی ازدواجی زندگی گذارنے لگی۔ ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی جس کا نام باہو بیگم رکھا گیا۔

اس طرح مہرالنسا کی ابتدائی زندگی بہت ہی ساحرانہ ہے۔ وہ قندھار میں 1577 میں پیدا ہوئی جبکہ اس کے والدین ایران سے ہندوستان کے سفر پر روانہ تھے۔ میر کارواں ملک مسعود کی مہربانی اور تعاون سے غیاث بیگ نے نہ صرف سلامتی کے ساتھ سفر طے کیا بلکہ اس کی سفارش پر بادشاہ اکبر کے دربار میں ملازمت حاصل ہوئی۔ اپنی کاوش، محنت، لگن اور قابلیت سے غیاث بیگ روز بروز ترقی کی منزل طے کرتا گیا اور مغلیہ حکومت میں اعزازی مقام حاصل کیا۔

اپنے والدین کی نگرانی میں مہرالنسا ایک دلکش، جاذب نظر، حاضر جواب، ہمہ گیر ذہانت، اور اعلیٰ اخلاقی معیار کے ساتھ پروان چڑھی۔ سترہ سال کی عمر میں اس کی شادی علی قلی بیگ استجلو کے ساتھ ہوئی، جو ایک شہرت یافتہ اور اعلیٰ خاندان کا فرد تھا اور جس کو جہانگیر نے اپنے حکومت کے ابتدائی دور میں بردوان کا جاگیردار بنایا۔ مہرالنسا اپنے شوہر کے انتقال تک بردوان میں ہی زندگی بسر کرتی رہی۔

☆☆☆

حوالہ جات

(1) ہفت 297بی، اقبال نامہ 56، شاہنواز جلد
(1)، 127 جلد(2)1014، خافی خان جلد
(1)، 263، آتش 223، آئین (بلاک مین نوٹ)527

(2) ریحان(1)310

(3) عباسی (مطبوعہ)166.11

(4) ہفت (مطبوعہ)76

(5) ارافات (الیف)800بی

(6) اقبال نامہ 56، شاہنواز(1)127(2)1074

(7) لیکن امین رازی نے اس کو اوغلی، بجن رائے ،بقلو، معتمد خان شرف الدین وزیر کہتا ہے۔

(8) ہفت 297، شاہنواز(1)127(2)1074، خافی خان(1)448

(9) ہفت ایضاً، ایضاً، آئین (بلاک مین)572

(10) ہفت 297، شاہنواز(1)174

(11) اکبرنامہ 213، سوجن 667

(12) شاہنواز(1)129

(13) ہفت 297 شاہنواز(1)127

(14) ہفت 297 اقبال نامہ 55۔شاہنواز (1) 129 (2) 1013

(15) اقبال نامہ 55۔شاہنواز 1015۔آئین 74۔573

(16) بہار ریسرچ سوسائٹی کا جرنل جلد گیارہ 1957۔325

(17) خافی خان (1) 263 لفظ ''باقی دار'' اس کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس کے یہاں حکومت کا روپیہ باقی تھا۔

(18) اقبال نامہ 57،شاہنواز (1) 127،خافی خان (1) 263،سوجن 666

(19) آئین (بلاک مین نوٹ) 171،گرچہ ہم عصر مؤرخ اس کے لڑکوں کے نام بتانے سے قاصر ہیں لیکن بنی پرشاد نے محمد شریف اور ابوالحسن بتایا ہے۔بنی 157 خافی خان کے مطابق دو لڑکیاں اور ایک لڑکا۔خافی (1) 263

(20) خافی (1) 263،شاہنواز (1) 17،شاہنواز خان کے مطابق بدنصیبی کے حالات کے انجام کے طور پر شاہنواز (2) 1073

(21) اقبال نامہ 55،خافی (1) 262،شاہنواز (11) 128 آئین بلاک میں نوٹ 572

(22) اقبال 55،خافی خان،163،شاہنواز (ج 1) 17

(23) اقبال نامہ 55،خافی خان (1) 262،سوجن 667،شاہنواز (11) 128،

(24) اقبال نامہ 55، خافی (1) 163،شاہنواز (2) 1073،آئین بلاک مین نوٹ 572،صرف ڈاکٹر بنی پرشاد نے جائے وقوع کا ذکر کیا ہے۔یعنی'' آدھی دوری'بنی 157،خافی،(ج 1) 262،اقبال 55،شاہنواز 128

(25) آئین 527،بنی 157

(26) خافی خان (1) 262،ڈاکٹر بنی پرشاد نے خافی خان کے اس قصہ کو غلط قرار دیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ اگر بچی کو پھینکنا ہی ہوتا تو اسے سر راہ نہ ڈالا گیا ہوتا بلکہ شاہراہ سے دور کسی گوشہ میں چھوڑا جاتا۔پھر بچی کو پھینکنا غیاث بیگ کے کردار کے منافی معلوم ہوتا ہے۔بنی 160۔میں بھی بنی پرشاد کے خیال سے متفق ہوں۔

(27) خافی خان (1) 264،بنی پرشاد خافی خان کے بیان کو نہیں مانتے ہیں ان کا کہنا ہے

کہ بغض وعناد کے جذبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے نور جہاں کے بعد کے شاندار کردار پر دھبہ لگانے کے غرض سے اس قصے کی ایجاد کی گئی اور پھر خافی خان نے اس واقعہ کی تفصیل شجاع کے ملازم تبریزی کی کتاب منہاج الصادقین سے اخذ کی ہے۔

(28) خافی (1) 159 شاہنواز (2) 1074 آئین بلاک مین نوٹ۔ 572 بنی 159 خافی خان نے مرزا غیاث بیگ کا اکبر سے تعارف کے سلسلے میں ایک دلچسپ روایت پیش کی ہے اکبر نے مسعود سے پوچھا کہ اس مرتبہ تم نے پہلے کی طرح کوئی نادر تحفہ نہیں لایا، ملک نے جواب دیا کہ اس مرتبہ میں چند جیتے جاگتے تحفے لایا ہوں جو کبھی ایران یا توران سے نہیں آئے۔ پھر اس نے غیاث بیگ اور اس کے لڑکوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ خافی (1) ص 5-264

(29) آئین۔ (بلاک مین نوٹ) 572، شاہنواز (11) 1074، گرچہ اس کی تقرری کا سال کسی نے قلم بند نہیں کیا ہے لیکن ڈاکٹر بنی پرشاد کے مطابق 1595 میں وہ 300 کے منصب پر فائز تھا اور کابل کا دیوان تھا۔

(30) آئین۔ (بلاک مین نوٹ) 572، شاہنواز (3) 1074

(31) کامگار (مطبوعہ) 32 اقبال نامہ 54، شاہنواز (2) 275

(32) شاہنواز (2) 1074، آئین (1) 573، اقبال نامہ 307

(33) قانون (ترتیب کروکس) 51

(34) اکبر نامہ جلد دوم (1517) (ج3) 56-1053، -922، 1122

(35) اقبال نامہ 59، شاہنواز (1) 133 (2) 544، 1074

(36) بنی 169

(37) ترپاٹھی۔ 366

(38) بنی 169

(39) ملاحظہ فرمائیں۔ باب ہفتم

(40) بنی 169

(41) آئین (بلاک مین نوٹ) 592،خافی خان (1) 266 شاہنواز (2) 827

(42) اقبال نامہ 25،شاہنواز (1) 834،خافی (2) 266،بجن 667

علی قلی بیگ ایران کے شاہ اسمٰعیل صفوی کا سفرچی تھا۔شاہ اسمٰعیل کی وفات کے بعد قندھار کے راستے ہندوستان آیا اور ملتان میں عبدالرحیم خان خاناں کے لشکر میں شامل ہوگیا جو ٹھٹھ کی مہم پر تھا۔ جنگ کے دوران اس نے غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔اس فتح کے بعد خان خاناں اسے لاہور لے گیا جو اس وقت سلطنت کا مستقر تھا۔اسے شاہی دربار میں پیش کیا گیا اور اکبر سے ملازمت کے لیے سفارش کی گئی۔اکبر نے اسے ملازمت میں رکھ لیا۔1599 میں شہزادہ سلیم کے ہمراہ میواڑ کی مہم میں روانہ ہوا۔ایک شکار کے دوران جس بہادری اور ہوشیاری سے ایک شیر کو مار گرایا اس سے شہزادہ بہت خوش ہوا اور شیر افگن کے خطاب سے نوازا۔

جب شہزادہ سلیم نے اپنے والد کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا تو اس نے شروع میں شہزادہ کا ساتھ دیا لیکن بعد میں پھر اکبر کے ساتھ ہوگیا۔آئین (بلاک میں نوٹ) 591،شاہنواز (3) 83،کامگار (مطبوعہ) 98،اقبال نامہ 23،توزک (2) 113،فتح نامۂ نور جہاں بیگم (1) 31، (بی) عرفان حبیب میڈیول انڈیا مسٹلری (1) 8 لیکن بنی پرشاد لاڈلی بیگم کہتے ہیں۔ ابوالفضل اور ٹی۔ڈبلو بیل اسے مہر النساء کہتے ہیں۔آئین 592،بیل 269۔

☆☆☆

باب دوئم

مہر النسا اور شیر افگن کے قتل کا ماجرا

''میں کس قدر مغموم اور رنجیدہ ہوا ہوں۔ قطب الدین خان میرے لیے ایک عزیز لڑکے، مہربان بھائی اور شفیق دوست کی طرح تھے۔ خدا کی مرضی کے سامنے میں کیا کر سکتا ہوں۔ تقدیر کے فیصلے کے سامنے میں نے سپردگی کا راستہ اختیار کیا'' ——— جہانگیر

شیر افگن کی موت کے متعلق مؤرخین کے درمیان اختلاف رائے ہے اور اس کی موت کے اسباب کے سلسلے میں مؤرخین نے جداگانہ رائے رقلم بند کی ہیں۔

شاہنواز خان، خافی خان، بجن رائے وغیرہ بادشاہ جہانگیر کو شیر افگن کے قتل کا ذمہ دار تصور کرتے ہیں۔ جبکہ ابوالفضل، معتمد خاں۔ کامگار حسینی، شیخ فرید بھکاری وغیرہ جہانگیر کے ملوث (1) ہونے کے معاملے میں خاموش ہیں۔ ہم عصر یورپی سیاح بھی اس میں جہانگیر کے ملوث ہونے کے طرف اشارہ نہیں کرتے۔

اس لیے اس معاملے میں غیر جانب دارانہ طور پر حقائق کے تجزیہ کی ضرورت ہے۔ اس

واقعہ کے اہم کردار علی قلی بیگ استجلو یعنی شیر افگن کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ علم ہوتا ہے کہ 1599 میں اکبر نے اسے میواڑ کی مہم میں شہزادہ سلیم کی زمرہ میں شامل کردیا۔ اس کی بہادری اور شجاعت سے شہزادہ سلیم بہت متاثر ہوا اور اسے شیر افگن کے خطاب سے نوازا۔

لیکن جب شہزادہ سلیم نے اپنے باپ کے خلاف 1605 میں بغاوت کا علم بلند کیا تو شیر افگن نے شاہی افواج کا ساتھ دیا۔ فطری طور پر شہزادہ سے اس کے تعلقات میں کرواہٹ آئی، لیکن تخت نشینی کے بعد جہانگیر نے عام معافی کے اعلان کے تحت اپنے سبھی مخالفین کو معاف کردیا اور شیر افگن کو بھی ایک معقول عہدہ اور بنگال کے بردوان میں جاگیر عطا کی۔ گرچہ جہانگیر نے اسے معاف کردیا تھا لیکن بنگال میں اس کی تعیناتی سے بادشاہ کی ناراضگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس زمانے میں بنگال اپنے مسموم آب وہوا اور سیاسی افراتفری کے سبب مناسب مقام تصور نہیں کیا جاتا تھا جیسا کہ مخزن الغرائب میں منقول ہے۔ ''ان دنوں انھیں لوگوں کو بنگال میں تعینات کیا جاتا تھا جس سے بادشاہ کی ناراضگی ہوتی تھی۔'' (2)

ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے بھی اس بات کا اظہار کیا ہے کہ ان دنوں بنگال باغی افغانوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا اور باغی افغان اپنی کھوئی ہوئی طاقت اور حکومت (3) واقتدار کی واپسی کی امید میں پورے ملک سے آکر یہاں جمع ہورہے تھے اور حکومت کے خلاف سازش وریشہ دوانیوں میں مشغول تھے۔

شیر افگن کی وفاداری بھی شک وشبہات کے گھیرے میں آگئی اور اس کی نافرمانیوں اور نازیبا حرکتوں کی اطلاع دربار (4) میں پہنچنے لگی۔ جہانگیر نے اس کی حرکتوں کی تحقیق کے لیے بنگال کے صوبہ دار قطب الدین خان کو ہدایت دی اور فرمایا کہ اگر شیر افگن کی بے گناہی اور وفاداری سے مطمئن ہے تو اس کو اس کے عہدے پر رہنے دیا جائے۔ ورنہ اسے دربار میں بھیج دیا جائے۔ اگر وہ دربار آنے سے انکار کرتا ہے تو اس کو سزادی (5) جائے۔ قطب الدین خان نے اپنے تئیں پوری شائستگی اور خوش اخلاقی سے کوشش کی کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائے اور اس کو روبرو بات کرنے کی دعوت دی۔ لیکن شیر افگن نے یکے بعد دیگرے غدر کے ذریعہ اس کی خواہش کو ٹال دیا تو قطب الدین خان کو اس کے خلاف کاروائی کرنے پر مجبور ہونا پڑا اور اس نے شہنشاہ کو اس

کی ناز یبا حرکتوں سے واقف کرادیا۔ شہنشاہ نے قطب الدین خان کوایک شاہی فرمان کے ذریعہ شیر افگن کو دربار میں بھیجنے کا حکم صادر کیا۔ ساتھ ہی ساتھ صوبہ دار کو مزید ہدایت دی کہ اگر وہ نافرمانی (6) کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اسے سزادی جائے۔

شاہی فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے قطب الدین خان شیر افگن کے معاملے کو طے کرنے کی غرض سے بردوان پہنچا۔ اس درمیان حیدر ملک (7) کے مطابق یوسف خان کا تبادلہ بردوان کردیا گیا اور شیر افگن کی جاگیر عطا کردی گئی۔ جب یوسف خان مشکل کوٹ پہنچا تو قطب الدین خان بھی وہاں پہنچ چکا تھا اور شیر افگن کو ملاقات کے لیے طلب کیا۔ دوسرے دن صبح میں شیر افگن اس سے ملنے آیا اور اس کو برا بھلا کہا اور اس پر قتل کرنے کی سازش کا الزام لگایا۔ شیر افگن اپنے ہاتھ میں تلوار لے کر قطب الدین خاں کی طرف بڑھا۔ حیدر ملک نے مداخلت کی اور اس کا راستہ روک دیا۔ لیکن شیر افگن کے ہاتھوں قطب الدین خاں بری طرح سے زخمی ہوگیا اور چوبیس گھنٹے کے اندر مرگیا۔ حیدر ملک کے چہرے اور سینے پر گہرا زخم لگا۔ شیر افگن نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ایک ہاتھی کے ذریعہ اس کا راستہ روک دیا گیا۔ خشم آلودگی میں اس نے ہاتھی کو بھی زخمی کردیا لیکن اس کارروائی میں خود شیر افگن کا گھوڑا مارا گیا۔ اسی بیچ انبا خان کشمیری نمودار ہوا اور شیر افگن کو برا بھلا کہنے لگا۔ شیر افگن واپس ہوا اور انبا خان کو بھی بری طرح سے زخمی کردیا اور بھاگنے کی کوشش کی لیکن اسی بیچ یوسف خان نے شیر افگن پر حملہ کرکے اس کا کام تمام کردیا۔ اس طرح انبا خان کی موت کا (8) بدلہ لے لیا۔

حیدر ملک کے بیانات کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے یوسف خان کا شیر افگن کی جاگیر پر تبادلہ جہانگیر کے ذریعہ نور جہاں کو حاصل کرنے کی کوئی سازش نہیں تھی بلکہ یوسف خان کے خلاف جہانگیر کی ناراضگی تھی اس کے برعکس شیر افگن نے شاہی حکم کی تعمیل نہیں کی اور تقریباً بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔

ان شواہد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شیر افگن اپنی بدبختی کے لیے خود ذمہ دار تھا۔ اس کے قتل میں جہانگیر کے ملوث ہونے کی بات حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں خافی خان اور شاہنواز خان کے بیان کو بعد کے مؤرخین نے اپنی تفصیلات میں دہرایا ہے لیکن اس کی تصدیق

ہم عصر فارسی اسناد میں نہیں ملتی یہاں تک کہ معتمد خان، کامگار حسینی اور عبدالحمید لاہوری جو نور جہاں سے اپنی عدوات کے لیے مشہور ہیں، اس واقعہ میں جہانگیر کے ملوث ہونے کی طرف ہلکا سا بھی اشارہ نہیں کیا ہے۔

یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ کوئی درباری مورّخ اس طرح کے اسکینڈل کی طرف اشارہ کرنے کی جرات نہیں کرے گا جس سے پورے خاندان کی عزت و ناموس پر حرف آئے لیکن اس طرح کا خوف ہم عصر یوروپی سیاحوں کو تو نہیں تھا اور وہ اس طرح کے واقعہ کا ذکر اگر ہوتا تو ضرور کرتے۔

جہانگیر کے دور میں کئی یوروپی سیاح ہندوستان آئے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے اہل کاروں نے سیکڑوں خطوط اپنے ملک کے اعلیٰ عہدیداروں کو بھیجے۔ انھوں نے اپنے خطوط میں جہانگیر کے عہد کے اہم واقعات جیسے خسرو کو اندھا (9) کرنا، خسرو کے قتل میں شاہ جہاں کا ہاتھ۔ شاہ جہاں کی بغاوت، مہابت خاں کی یورش وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن انھوں نے اپنی کسی بھی تفصیلات میں مہرالنسا کو حاصل کرنے کے لیے جہانگیر کے ذریعہ اس کے شوہر کو قتل کرانے کی سازش کا ذکر نہیں کیا ہے یہاں تک کہ قصہ کہانی یا افواہ کی شکل میں بھی شیر افگن کے قتل میں جہانگیر کے ملوث ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ اگر اس سلسلے میں ذرا سی بھی بات ہوتی تو وہ ضرور اس کی طرف اشارہ کرتے۔ اس طرح یہ بات قابل یقین نہیں ہے کہ سبھی غیر ملکی سیاح اس واقعہ میں جہانگیر کے قصور کو ریکارڈ کرنے میں چوک جاتے اگر صحیح معنوں میں جہانگیر قصوروار ہوتا۔

اس کے علاوہ اس الزام کے منفی بیانات اپنے آپ میں تضاد (10) کے گھیرے میں ہیں اور یہ متضاد بیانات اس واقعہ میں جہانگیر کی بے گناہی کو ثابت کرتے ہیں۔

حال کے کچھ مورّخین کا خیال ہے کہ راجہ مان سنگھ کی جگہ قطب الدین خان کو بنگال کا صوبہ دار بنانے کا خاص مقصد اپنے آقا کے لیے مہرالنسا کی بازیابی تھی۔

حقائق کے تجزیہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تخت نشینی کے معاملے میں راجہ مان سنگھ کے ذریعہ خسرو کی طرف داری کے سبب جہانگیر کے راجہ مان سنگھ سے تعلقات پہلے سے ہی کشیدہ تھے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ آر پی ترپاٹھی رقم طراز ہیں کہ راجہ مان سنگھ اور ان کے معاون بنگال میں

بے اثر ثابت ہورہے تھے اور جہانگیر انھیں شک (11) کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ جہانگیر کے لیے نہایت ضروری تھا کہ بنگال کے واقعات پر نگرانی رکھنے اور ریشہ دوانیوں کے خاتمہ کے لیے قطب الدین خان جیسے وفادار اور قابل اعتماد آفیسر اور دوست کو وہاں کا صوبہ دار بنائے۔

اس طرح عصر حاضر کے تاریخ دانوں کا یہ الزام کہ صرف مہر النسا کی بازیابی کے لیے قطب الدین خان کو بنگال کا صوبہ دار بنایا گیا تنقید وحقائق کی روشنی میں کھرا نہیں اترتا۔ اور پھر ہم عصر اسناد سے بھی اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

عام طور پر ایسا کہا جاتا ہے کہ اگر شیر افگن کے دل ودماغ میں کوئی مغویانہ ارادہ ہوتا تو وہ صوبہ دار سے صرف دو جلوداروں کے ساتھ ملنے نہیں جاتا۔ وہ پوری فوجی تیاری کے ساتھ جاتا۔ لیکن اس معاملے میں ڈاکٹر آر۔ پی تر پاٹھی کا بیان قابل اظہار ہے کہ بغیر محافظ کے صوبہ دار سے ملنے جانے کے پیچھے شیر افگن کا مقصد خود اس کی نافرمانی کی وجہ سے صوبہ دار کو جو ناراضگی تھی اس کو دور کرنا تھا۔ شیر افگن کا یہ رویہ ٹھیک اسی طرح تھا جیسا بیرم خان نے قندھار میں ہمایوں کے سامنے اپنی نافرمانیوں کو پوشیدہ رکھنے کے لیے کیا تھا (12)۔ لیکن قطب الدین خان نے اپنی ذہانت کا استعمال کیا اور شیر افگن کے مغالطے میں نہیں آیا۔ اس کے برخلاف شیر افگن کی غیر رسمی اور بے تکلفی کے رویے سے بہت زیادہ ناراض ہوا اور اس کی اس حرکت کو نہ صرف اپنی بے عزتی سمجھی بلکہ اسے شیر افگن کی سوچی سمجھی ترکیب جانی۔

خافی خان اور شاہنواز خاں کا قول ہے کہ جب جہانگیر نے قطب الدین خان کو بنگال کے لیے روانہ کیا تو اس نے شیر افگن کے متعلق کچھ خفیہ ہدایتیں دیں۔ شیر افگن کو اس کا علم دربار میں موجود اس کے ایجنٹ کے ذریعہ ہو گیا۔ اس دن سے اس نے شاہی پوشاک ''یرق'' اتار دیا اور اعلان کر دیا کہ وہ اب شاہی ملازم (13) نہیں ہے۔

اس کا تجزیہ کرنے پر بڑی آسانی سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قطب الدین خاں کے بنگال جانے کے قبل ہی شیر افگن نے اعلانیہ طور پر نافرمانی کا مظاہرہ کر دیا تھا۔ اس سے بھی اس معاملے میں جہانگیر کی ایمانداری صاف دکھائی پڑتی ہے۔

کچھ مؤرخین کا یہ بیان کہ شیر افگن کی موت کے بعد اس کی بیوہ مہر النسا کو جہانگیر کے حکم

سے دربار میں لانے کا خاص مقصد جہانگیر کے لیے اس کی بازیابی تھی جو غیر منصفانہ اور بغض عناد سے لبریز معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب گل چہار بیگم کا شوہر تختہ بیگ سلطان ہمایوں کے عہد میں اودھ میں انتقال کر گیا تو ملازموں نے گل چہار بیگم کو شاہی فرمان کے ملنے کے (14) بعد ہی اسے آگرہ بھیجا۔

اس لیے شیر افگن کی موت کے بعد اس کی بیوہ مہر النسا کو دربار میں لانے کا مقصد جہانگیر کا شادی کرنا حقیقت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے مقتول قطب الدین خان کے آدمیوں کے انتقام سے محفوظ رکھنا تھا۔ درحقیقت شیر افگن کے واقعہ کو بہت زیادہ توڑ مڑور کر پیش کرنے کا مقصد جہانگیر کو اس میں ملوث کرنا معلوم پڑتا ہے۔ لیکن جب بنگال کے پریشان کن سیاسی حالات، شاہ اسمٰعیل صفوی کی موت کے بعد ایران سے شیر افگن کا پراسرار طریقے سے ہندوستان آنا، اس کا مغویانہ رویہ اور ضرورت سے زیادہ امنگ اور حوصلہ مندی وغیرہ کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ شیر افگن کی موت میں جہانگیر ملوث نہیں تھا۔ خود جہانگیر نے اپنی یادداشت میں شاہ اسمٰعیل کی موت کے بعد ایران سے شیر افگن کے بھاگنے اور اس کی فطری بدخصلتی کا ذکر کیا ہے۔

اس طرح ان حقائق کی روشنی میں میں اس فیصلے پر پہنچتا ہوں کہ جہانگیر کو شیر افگن کے قتل کے الزام سے بری کر دیا جائے۔

☆☆☆

حوالہ جات

1۔ شاہنواز (2) 556، خافی (1) 266، تجن الف 1761، خدا بخش لائبریری پٹنہ فولیونمبر 184 (ی)

2۔ مثال کے طور پر اکبر نے غیاث الدین علی آصف خان کے ریمارک کے سبب اسے بنگال تبادلہ کر دیا۔ مخزن (مطبوعہ) 1961

3۔ ایشوری 448

4۔ اقبال نامہ 23، کامگار (8) تجن (مطبوعہ) 184، شاہنواز (2) 367، ذخیراۃ (آزاد لائبریری علی گڈھ) فولیو 89 (بی)

5۔ آئی، ایچ، کیو، دسمبر 1938 جلد 14، 821

6۔ اقبال نامہ 23، کامگار 100

7۔ حیدر ملک کے مطابق جب یوسف خان نے خسرو کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے شاہی افواج کے ہمراہ لاہور جانے کی شاہی حکم کی تعمیل نہیں کی تو ناراضگی کے طور پر جہانگیر نے اسے شیر افگن کی جاگیر پر تبادلہ کر دیا۔ حیدر 211۔ چونکہ حیدر ملک قطب الدین خان کے جلوداروں میں سے ایک تھا اور پورے واقعہ کا چشم دید گواہ تھا۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے ذرائع نے اس واقعہ کی جانکاری مہیا نہیں کی ہے۔

8۔ حیدر ملک 211

دوسرے ذائع کے مطابق جب قطب الدین خان بردوان پہنچا تو شیر افگن دو جلوداروں کے ساتھ اس سے ملنے گیا۔ قطب الدین خان کے آدمیوں نے اسے

چاروں طرف سے گھیر لیا، اس سے شیر افگن کے شبہات میں اضافہ ہوا اور اس نے لوگوں کو مغالطے میں رکھنے کے لیے یہ سوال کیا" یہ آپ لوگوں کا کیا طرز طریق ہے" قطب الدین خان نے اپنے لوگوں کو نزدیک آنے کے لیے منع کیا اور تنہا بذات خود اس سے ملنے کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن شیر افگن نے صوبہ دار کے منصوبہ کو بھانپ لیا۔ اور بہت ہی تیزی سے اپنی تلوار نکالی اور اس سے پہلے کہ کوئی مداخلت کرتا اس کے اوپر شدید حملہ کر دیا۔ تب اس کے محافظ اس کی طرف دوڑے اور شیر افگن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ کامگار، 100 اقبال نامہ 24، توزک (1) 113

9۔ وائیٹ وے نے اپنی کتاب رائز آف پرتگیز پاور ان انڈیا ص ۱۶۵ پر لکھا ہے کہ جہانگیر نے خود سے خسرو کو اندھا کر دیا۔ اس نے ایک رومال اس کی آنکھوں پر باندھ کر اس پر اپنی مہر لگا کر بند کر دیا۔ توزک (1) (راجرس اینڈ بیوریج) حاشیہ 174

10۔ اس معاملے میں ہم عصر مؤرخین کا متضاد بیان ہے۔ ایک مقام پر ہم عصر مؤرخین شیر افگن کے قتل میں نور جہاں کے حصول کے لیے جہانگیر کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور دوسرے مقام پر اس کے قتل کے لیے خود شیر افگن کے باغی رجحان اور ریشہ دوانیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

11۔ ترپاٹھی 367

12۔ ترپاٹھی 368

13۔ شاہنواز (2) 738۔83 خافی خان (1) 266

14۔ گل بدن بیگم، ہمایوں نامہ (بیوریج) 115

15۔ توزک۔ (آر اینڈ بی) 113

☆☆☆

باب سوئم

شہزادہ سلیم اور مہر النسا کے درمیان معاشقہ

حقیقت یا افسانہ

> ''وہ اس کی محبت میں گرفتار تھا جب وہ ایک دوشیزہ تھی لیکن اس کی شادی ترک شیر افگن سے کردی گئی لیکن اس نے اس کے لیے اپنی محبت کبھی ختم نہیں کی''——ڈی لیٹ

شہزادہ سلیم کے مہر النسا کے ساتھ ابتدائی معاشقہ کے سوال پر مؤرخین میں اختلاف رائے ہے اور حقیقت پر قصہ کہانی، افسانہ اور تخیلات کے بادل گھرے ہوئے ہیں۔

ہم عصر تواریخ، جیسے عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ، حیدر ملک کی تاریخ کشمیر، محمد امین کی انفالاخبار، محمد قاسم فرشتہ کی تاریخ فرشتہ، محمد عبدالباقی کی مأثر رحیمی، ابوالفضل کی آئین اکبری وغیرہ نے اس مسئلے پر براہ راست نشاندہی نہیں کی ہے۔ لیکن دو ہم عصر ریکارڈ میں سلیم اور مہر النسا کے ابتدائی معاشقہ کی طرف اشارہ ہے۔ ایک ہے۔ ہم عصر پھالودی کھیات۔ جس کی

عبارت ہے۔''جب بادشاہ جہانگیر شہزادہ سلیم تھا تو اعتمادالدولہ کی لڑکی اور آصف خان (1) کی بہن نورمحل کے ساتھ اس کا عشق تھا۔'' دوسرا ہے۔ڈچ مصنف ڈی لیٹ جو رقم طراز ہے،''اس کا اپنے باپ کے زمانہ میں جب وہ دوشیزہ تھی، سلیم سے تعلقات تھے، لیکن اس کی شادی ترک شیرافگن سے کردی گئی، اس طرح اس کے باپ نے شادی کی اجازت نہیں دی لیکن وہ اپنی محبت (2) کبھی نہیں بھول پایا۔''

جہاں تک ہم عصر فارسی مآخذ کی بات ہے تو اس سلسلے میں کئی مؤرخین کی تفصیلات میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

شاہ جہاں کے عہد کا مؤرخ شاہنواز خان لکھتا ہے کہ مرزا غیاث بیگ کی بیوی کی جہانگیر کے دربار میں رسائی تھی اور اس کے ساتھ اکثر و بیشتر اس کی لڑکی بھی جایا کرتی تھی۔شہزادہ سلیم کی اس سے محبت ہوگئی اور جب اس کے محبت کی خبر حرم میں عام ہوگئی اور بادشاہ اکبر کو بھی خفیہ طور پر اس کی جانکاری ملی تو اس نے بلا تاخیر اس کی شادی علی قلی بیگ استجلو (3) سے کردی۔

خافی خان جس نے اپنی کتاب ''منتخب اللباب'' کی تکمیل عالمگیر کے عہد میں کی، رقم طراز ہے،''جب مہر النسا سن بلوغ کو پہنچی تو سلیم اس کا عاشق ہوگیا اور اس نے فرط محبت کا اظہار کرنے لیے اسے اپنے سینے سے لگا لیا، اس نے اپنے آپ کو اس سے آزاد کیا، اور اس کی شکایت شاہی خواتین سے کی، بادشاہ نے سختی کے ساتھ اسے (شہزادہ) کو پھٹکارا اور مہر النسا کی شادی علی قلی بیگ استجلو (4) سے کردی۔''

خافی خان اور شاہنواز خان کے علاوہ دوسرے مآخذ جیسے خلاصۃ التواریخ، ریاض السلاطین، مفتاح التواریخ، نسخۂ جہانگیری اور منوچی (5) وغیرہ نے بھی مہر النسا کے ساتھ جہانگیر کے سن بلوغیت کی محبت کا ذکر کیا ہے۔

عصر جدید کے ملکی اور غیر ملکی مؤرخین نے اسی نقش قدم پر چل کر ان کے بیان پر بھروسہ کر کے بار بار اس افسانے کو دہرایا ہے۔

حقیقت کی صحیح جانکاری کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ اس مسئلے کا منصفانہ اور محققانہ تجزیہ کیا جائے۔

ہم عصر فارسی مآخذ شہزادہ سلیم اور مہر النسا کی محبت کے متعلق بالکل خاموش ہے۔ مہر النسا کی ابتدائی زندگی، شیر افگن کے ساتھ شادی، اور پھر شیر افگن کے قتل کا تذکرہ بے شک کیا گیا ہے لیکن سلیم کا مہر النسا کے ساتھ عشق کا ذکر بالکل نہیں ہے۔

''راجپورت بارڈس'' کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ مختلف نمایاں غلطیوں سے پُر ہے جیسے اس میں پرویز (6) کی جلاوطنی کا ذکر ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب بعد میں لکھی گئی۔ لیکن تاریخ ابتدا کی ڈال دی گئی۔ دوسرے، مصنف نے افواہ اور قصہ کہانی پر بھروسہ کیا ہے، اس طرح پھالودی کھیات کو اس معاملے میں باوثوق ذریعہ نہیں مانا جاسکتا۔

ٹھیک اسی طرح ڈی لیٹ کے بیان کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد ہم مندرجہ ذیل نتیجے پر پہنچتے ہیں۔

اول تو یہ کہ ڈی لیٹ کو مغربی سیاحوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس نے کبھی ہندوستان کا سفر نہیں کیا۔ اس کی تحریر سورت میں سترھویں صدی کے تیسری دہائی میں تعینات بستی کے مالک پیٹر وان ڈن بروک کے ذریعہ مہیا کرائے گئے تفصیلات پر مبنی ہے۔ اس نے صرف اس کو یکجا کر کے تحریری شکل دی ہے۔ اس لیے اس کے بیان کو ذاتی تجربہ کی کمی کے باعث درست نہیں مانا جاسکتا۔ اس کے علاوہ یہ تفصیلات پوری طرح سے افواہ اور افسانے پر مبنی ہے۔

اس کے علاوہ 1580 سے 1627 کے درمیان نہ صرف مختلف یوروپی سیاح ہندوستان آئے بلکہ ان میں سے کچھ جیسے سر ٹامس رو، ہاکنس، پیلزرٹ وغیرہ، ایک لمبے عرصے تک دربار میں مقیم رہے۔ ان سبھی نے مہر النسا کی ابتدائی زندگی، جہانگیر کے ساتھ اس کی شادی اور بادشاہ وحکومت پر اس کے بڑھتے ہوئے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ لیکن کسی نے بھی مہر النسا کے ساتھ شہزادہ سلیم کے عشق ومحبت کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اس طرح ڈی لیٹ کے بیان کو ہم عصر یورپی سیاحوں کی تفصیلات سے تائید حاصل نہیں ہے۔ اس لیے اس کے بیان کو اس معاملے میں درست نہیں ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

جہانگیر اور مہر النسا کے عشقیہ داستان کے سلسلے میں ڈی لیٹ کے بیان کی تائید ڈاکٹر

آشیروادی لال شری واستو نے پٹنہ کے پروفیسر حسن عسکری کے ذریعہ دریافت ایک قلمی نسخہ (7) کے حوالے سے کیا ہے۔ ڈاکٹر اے، ایل، شری واستو کے مطابق '' سلیم نے مہر النسا کو جسمانی طور پر زدوکوب کیا جب اس نے اکبر سے انصاف کی درخواست کی۔''

میں نے ذاتی طور پر پٹنہ یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ نسخے کا مطالعہ کیا۔ اس نسخے میں بے شک سلیم کے مہر النسا کی ساتھ محبت کا ذکر ہے لیکن ڈاکٹر اے، ایل شری واستو نے جس زدکوب (8) کا ذکر کیا ہے اس کی سند نہیں ملتی۔ شاید قابل پروفیسر نے پروفیسر عسکری (9) کے بیان کی رونق افزائی کی ہے۔

شاہنواز خان اور خافی خان کے بیانات کا منصفانہ طور پر تجزیہ کرنے کے بعد ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ان دونوں نے اپنی اپنی تصنیف شاہ جہاں اور عالمگیر کے دور عہد میں مکمل کی اور بعد کے مؤرخین نے دونوں کے نقش قدم کو اپنایا۔ چونکہ دونوں نور جہاں سے عداوت رکھتے تھے اس لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نور جہاں کے بعد کے روشن کردار کو مشکوک و داغ دار کرنے کے واسطے یہ افسانہ ایجاد کیا گیا۔ یہاں تک کہ کامگار حسینی جنھوں نے اپنی تصنیف جہانگیر کی موت کے بعد مکمل کی اور نور جہاں سے عداوت بھی رکھتا تھا لیکن اس طرح کے کسی افسانہ کا ذکر نہیں کیا کہ شہزادہ سلیم مہر النسا کی محبت میں گرفتار تھا۔

جہاں تک معتمد خان کی بات ہے۔ تو وہ نور جہاں کے حالات زندگی کی تفصیلات کا ذکر کرنے کے دوران جہانگیر سے مہر النسا کی شادی کے متعلق رقم طراز ہیں:

''در ہائی بستہ را کلید آمد دلہائی خستہ را دوا شد'' (10)

ترجمہ: مقفل دروازوں کی کنجی مل گئی اور مریض دلوں کو دوا مل گئی۔

معتمد خان کے بیان کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں:

اول تو یہ کہ معتمد خان نے جہانگیر کے انتقال کے بعد اپنی تصنیف کو پورا کیا۔ اس لیے اس کو شہزادہ سلیم اور مہر النسا کے عشق کی داستان کو بیان کرنے کے معاملے میں کسی طرح کا خوف نہیں تھا۔ جب شاہنواز خان اس کا ذکر کر سکتا ہے تو وہ کیوں نہیں۔ اس کے متعلق اپنی تحریر میں اس کا ذکر کر سکتا تھا۔

دوسرے یہ کہ صرف اس بیان سے کہ" مریض دل کو دوا مل گئی۔" یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں میں ابتدائی معاشقہ تھا۔

اس طرح مندرجہ بالا ذرائع کا محققانہ اور منصفانہ تجزیہ کرنے کے بعد آسانی سے مندرجہ ذیل نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔

اول تو یہ سمجھنا مشکل ہے کہ اگر شہزادہ اور مہرالنسا کے درمیان معاشقہ تھا تو اکبر نے دونوں کو شادی کی اجازت آسانی سے دی ہوتی۔ کیونکہ مہرالنسا ایران کے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔

دوسرے یہ کہ اگر مہرالنسا کی شیر افگن کے ساتھ شادی نے شہزادہ سلیم کو مایوس کر دیا تو اکبر جیسا دوراندیش حکمران علی قلی استجلو کو 1599 میں میواڑ کے رانا کے خلاف شہزادہ سلیم کی کمان میں شامل نہیں کرتا اور پھر سلیم کے ذریعہ علی قلی استجلو کی بہادری پر اسے شیر افگن کے خطاب سے نہیں نوازا جاتا۔ اس طرح کی کوئی نشاندہی نہیں ملتی کہ دونوں کے درمیان کسی طرح کی دوری یا نااتفاقی تھی اور جہانگیر کے دل ودماغ میں کسی طرح کا بغض وعناد تھا۔

تیسرے۔ اگر سلیم کے دل میں پرانی محبت پل رہی ہوتی اور وہ اپنے پرانے رقیب سے چھٹکارا پانا چاہتا تو وہ شیر افگن کو اپنی بغاوت کے دوران جب شیر افگن نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اُسے اپنے راستے سے ہٹا دیتا۔ اگر سلیم ابوالفضل کا قتل کرا سکتا تھا جو کہ اکبر کے حکومت کا ایک اہم ستون تھا تو وہ بڑی آسانی سے شیر افگن کو اپنے راستے سے ہٹا سکتا تھا۔ اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ سلیم نے اپنی تخت نشینی کے بعد اس کی پرانی غلطیوں کو معاف کر دیا اور بنگال کے بردوان میں عہدہ اور جاگیر عطا کی۔ علاوہ ازیں اگر اس کو مہرالنسا کو حاصل کرنے کی بے پناہ چاہت ہوتی تو وہ اس طرح کے ہتھکنڈے کو نہیں اپناتا جیسا کہ الزام لگایا جاتا ہے۔

چوتھے۔ اکبر اور جہانگیر دونوں نے تورۂ چنگیزی جو تیمور کا بنایا ہوا قانون تھا، اپنایا۔ اس کے تحت اگر بادشاہ کسی سے شادی کرنے کی خواہش رکھتا ہے خواہ وہ دوشیزہ ہو یا شادی شدہ خاتون۔ تو وہ اپنے خیالات کو متعلقہ لوگوں کو پہنچوا دیتا تھا اور بادشاہ کی خاطر متعلقہ شوہر کو اپنی بیوی کو طلاق دینا پڑتا تھا تاکہ بادشاہ اس سے شادی کر سکے۔ جب یہ قانون عمل میں تھا تو جہانگیر بہت

آسانی سے اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔لیکن تعجب کی بات ہے کہ جہانگیر نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ جواب صاف ہے کہ جہانگیر کی ایسی کوئی پرانی خواہش نہیں تھی۔

علاوہ ازیں جہانگیر اپنی سوانح عمری میں چھوٹی سی چھوٹی باتوں کا ذکر کرتا ہے۔ وہ پہلی بیوی مان بائی کی موت اور شیر افگن کے ہاتھوں قطب الدین خان کے قتل سے جو اسے صدمہ پہنچا ان سب کا ذکر کرتا ہے پھر وہ کیوں مہر النسا کے ساتھ اپنی محبت کا ذکر نہیں کرتا؟

اس طرح مختلف ذرائع کا گہرائی سے محققانہ اور منصفانہ تجزیہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شاہنواز خان، خافی خان، تجن رائے، منوچی اور دوسرے یورپی اور بعد کے ہندستانی تاریخ دانوں نے مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔حقیقت میں شہزادہ سلیم کا مہر النسا کے ساتھ کوئی معاشقہ نہیں تھا۔ میں ڈاکٹر بنی پرشاد اور ڈاکٹر آر، پی، ترپاٹھی (11) کے بیانات سے متفق ہوں کہ سلیم کا مہر النسا کے ساتھ عشق و محبت کا کوئی ابتدائی رشتہ نہیں تھا۔

حقیقت میں کچھ مصنفوں کے ذریعہ شروع کیا گیا یہ افسانہ ایک تاریخی افسانہ بن گیا ہے جس نے حقیقت کو پوشیدہ کرافسانوی اور رومانی شکل اختیار کر لی۔

☆☆☆

حوالہ جات

1۔ ہاڑدیک (1) 58 ۔ یہ اس وقت لکھا گیا جب راجہ مان سنگھ 1623-31 کے درمیان بیکانیر پر حکومت کر رہے تھے۔

2۔ ڈی لیٹ 180

3۔ شاہنواز خان (بیوریج) 21۔837

4۔ خافی خان (1) 256

5۔ سجن رائے۔44۔ریاض 173، مفتاح۔214۔نسخہ ۱۲، منوچی (مطبوعہ) اردو ن 962

6۔ ہارڈک 58

7۔ نسخہ 12 لیکن چونکہ مصنف کا نام اور تاریخ کا اس میں ذکر نہیں ہے اس لیے اس کی تصنیف سوالیہ نشان کے دائرے میں ہے۔

8۔ شری واستو۔265

9۔ 15 فروری 1983ء کو ڈاکٹر حسن عسکری کے ساتھ خدابخش اورینٹل لائبریری میں ملاقات کے دوران یہ بات ہوئی۔

10۔ اقبال نامہ (اردو ترجمہ) 1867 اقبال نامہ 57

11۔ آر، پی ترپاٹھی 369

☆☆☆

باب چہارم

جہانگیر کی مہر النسا (شیر افگن کی بیوہ) سے شادی

نور محل اور نور جہاں کے خطاب سے نوازا جانا

> ''اس شادی سے پہلے میں نے یہ کبھی نہیں جانا کہ حقیقت میں شادی کا مطلب کیا ہوتا ہے اور میں نے امور سلطنت کے فرائض اس کو عطا کر دیے اور میں اس بات سے مطمئن رہوں گا اگر مجھے ایک سیر شراب اور آدھ سیر گوشت روزانہ مل جائے۔'' ——— جہانگیر

حیدر ملک جو قطب الدین خان کے جلوداروں میں سے ایک تھا اور اس واقعہ کا چشم دید گواہ تھا۔ رقم طراز ہے۔ ''شیر افگن قطب الدین کے سپاہیوں میں سے ایک یوسف خان (1) کے ذریعہ 3/صفر A.H. 1015 (2) و بمطابق 20/مئی 1607 کو کالوطاق (3) کے میدان میں مارا گیا۔ وہ شیر افگن کی موت کے بعد بردوان گیا اور بردوان میں اس کی جاگیر پر قبضہ کرنے کے بعد شیر افگن کے خاندان کے دیگر لوگوں کو تلاش کرنے لگا اور پریشان کرنے لگا۔ اس نے اپنے

آدمیوں کے ساتھ شیر افگن کی ماں اور دوسرے رشتہ داروں کے گھر بار کو لوٹنا شروع کیا۔ لیکن شیر افگن کے لوگ مرزا غیاث بیگ کی لڑکی مہر النسا کو بغیر ساتھ لیے ہوئے پہلے ہی فرار ہو چکے تھے۔ اس لیے جب علی ملک نے مجھے یہ خبر دی تو گہرے زخم کے باوجود میں اپنے بھائی علی ملک اور دیگر لوگوں کے ساتھ مہر النسا بیگم کی حفاظت کے خیال سے وہاں گیا۔ پورے احترام کے ساتھ میں نے (حیدر ملک) اس کو اپنے گھر لایا اور ہر طرح کی سہولت و آرام فراہم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ پورے چالیس دن تک عزت و احترام کے ساتھ میں نے اس کو اپنے حفظ و پناہ میں رکھا۔ جب بادشاہ کی طرف سے کشور خان کے ذریعہ اسے شاہی دربار میں بھیجنے کا حکم ملا تو میں اپنے بھائی کے ساتھ راج محل تک اس کا محافظ بن کر گیا۔ راج محل پہنچنے کے بعد اس نے اعتمادالدولہ (4) کو ایک خط بھیجا جس میں ہمارے حسن سلوک کی تعریف بھی کی۔ اس طرح شاہی فرمان کی بازیابی کے بعد آگرہ (5) شاہی دربار بھیج دی گئی۔

آگرہ میں مہر النسا کے پہنچنے اور شاہی دربار میں قیام کے متعلق ابوالفضل لکھتا ہے کہ قطب الدین خاں کے قتل کے ملال کی وجہ (وہ ایک قیدی کی طرح) سلطان رقیہ بیگم (6) کی نگرانی میں رہی۔ جہاں ایک مدت تک اس نے ناکامی اور بے توجہی کی زندگی گذاری۔

لیکن ابوالفضل کا اس کا قیدی کی طرح رہنے کے سلسلے میں بیان درست نہیں معلوم پڑتا ہے اس کے لیے کہ وہ بذات خود قطب الدین خان کے قتل کی ذمہ دار نہیں تھی اور صرف حفاظت کے خیال سے اسے رقیہ بیگم کی نگرانی میں رکھا گیا۔ جہاں تک اس کی ناکامی و بے توجہی کی بات ہے تو یہ فطری بات ہے۔ اس لیے کہ وہ نہ تو شہزادی تھی اور نہ ہی شاہی خاندان سے اس کا کوئی تعلق تھا۔ اس کے علاوہ کچھ دنوں قبل جہانگیر کے قتل کرنے کی سازش میں اس کے بھائی کی سزا سے اس کا خاندان معتوبی کا شکار تھا۔

قطب الدین خان کے قتل نے جہانگیر کو اعلیٰ درجہ تک رنج و غم میں ڈال دیا تھا۔ جہانگیر کو شیر افگن سے کتنی ناراضگی ہوئی اسے اس نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

> ''شیر افگن کو جہنم رسید کر دیا گیا اور ایسی امید کی جاتی ہے کہ اس کالے چہرے والے ذلیل آدمی کا مقام ہمیشہ وہاں رہے گا (7)۔''

قطب الدین خان کی موت سے اسے جو صدمہ پہنچا اس کے متعلق جہانگیر رقم طراز ہے:

''میں اس ناخوشگوار واقعہ کے متعلق کیا لکھ سکتا ہوں میں کتنا رنجیدہ و مغموم ہوا۔ قطب الدین خان میرے لیے ایک فرزند، مہربان بھائی اور حقیقی دوست کی طرح تھا۔ خدا کی مرضی کے سامنے میں کیا کر سکتا ہوں۔ قسمت کے سامنے سر جھکاتے ہوئے میں نے اسے بھلانے (8) کا راستہ اپنایا۔''

خافی خان کا خیال ہے کہ دربار پہنچنے کے بعد شہنشاہ نے اسے نکاح کا پیغام بھیجا۔ مہرالنسا نے نہ صرف اس سے شادی سے انکار کیا بلکہ اسے اپنے شوہر کے قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اس سے شہنشاہ کافی ناراض ہوا اور اسے سلطان سلیمہ بیگم (اکبر کی بیوہ میں سے ایک) کی خدمت میں خادمہ کی حیثیت سے بھیج دیا۔''

مہرالنسا کا جہانگیر سے شادی سے انکار اور پھر اسے خادمہ کی حیثیت سے مقرر کیے جانے کے سلسلے میں خافی خان کا بیان درست معلوم نہیں پڑتا اور ساتھ ہی ساتھ ہم عصر مؤرخین نے بھی اس کی تائید نہیں کی ہے۔

ڈاکٹر محترمہ چندر اپنت کا قول درست ہے ''چونکہ جہانگیر (9) اور اعتمادالدولہ دونوں کابل میں تھے اور قطب الدین خان کے لوگوں سے نور جہاں کی زندگی کو خطرہ تھا اس لیے نور جہاں کی سلامتی کے خیال سے اسے سلطان رقیہ بیگم کی حفاظت میں بھیج دیا گیا کیونکہ رقیہ بیگم سلطان (10) مملکت کی سب سے برگزیدہ خاتون تھیں۔''

رقیہ بیگم نے مہرالنسا کو مع اس کی لڑکی بڑی مہربانی اور شفقت کے ساتھ استقبال کیا اور شاذونادر ہی اس کو اپنی نظروں سے دور رکھتی تھی۔ وہاں وہ ایک لمبے عرصے تک بے توجہی کا شکار بنی رہی۔

جیسا کہ ایلیٹ اور ڈاوسن نے لکھا ہے:

''قسمت نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے دنیا کی ملکہ اور وقت کی شہزادی ہونا ہے۔ شہنشاہ نے جلوس کے چھٹے سال نوروز تہوار کے دوران اسے مینابازار میں

اتفاقاً دیکھا اور اس کی رعنائی اور زیبائی کو بادشاہ کی دور بین نظروں نے پہچان لیا(11)۔"

معتمد خان رقم طراز ہیں:

"کرشمہ ہائی آسمانی سے ایک دن جشن نوروز میں جہاں پناہ کی منظور نظر ہوئی اور پرستاران حرم سرا کے گروہ میں شامل ہو کر آناً فاناً عزت و مراتب ارتقاع میں عروج حاصل کرتی ہوئی اعلیٰ منصب کی آخری منزل پر پہنچ گئی۔ پہلے نور محل نام رکھا گیا اور چند روز کے بعد نور جہاں بیگم (12) کے خطاب سے نوازی گئی"۔

وہ جہاں پناہ کو اتنی بھا گئی کہ چودہ خورداد (13) .A.H 1020 بمطابق 1611 کو بڑے طمطراق کے ساتھ جہانگیر نے اس سے شادی کر لی۔

جہانگیر سے شادی کے وقت مہر النسا اپنی عمر کے 34 ویں سال میں تھی۔ لیکن بڑھتی ہوئی عمر کے باوجود اس کی رعنائی اور زیبائی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس میں اب تک دوشیزگی کی ساری رعنائی موجود تھی۔ اس کے مختلف شبیہ جو سامنے آئے ہیں اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت نے اسے مختلف خوبیوں سے نواز کر عورتوں کے درمیان کافی محبوب اور گرویدہ بنا دیا تھا۔ قدرت نے اسے تیز فہمی کی صفت سے نوازا تھا۔ اور بغیر کسی پریشانی کے الجھے (14) ہوئے سیاسی پیچیدگیوں کو بآسانی سمجھ لیتی تھی۔

مہر النسا نے بہت جلد اپنی پوشیدہ خوبیوں، صلاحیتوں اور بے پناہ چاہت سے شہنشاہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ جس کا تاثر خود شہنشاہ کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیں:

"اس سے شادی کے قبل میں نے یہ کبھی نہیں جانا کہ حقیقت میں شادی کا مطلب کیا ہوتا ہے اور میں نے امور سلطنت کے فرائض اس کو عطا کر دیے اور میں اس بات سے مطمئن رہوں گا اگر مجھے ایک سیر شراب اور ادھ سیر گوشت روزانہ (15) مل جائے۔"

مہر النسا بہت جلد جہانگیر کی سب سے چہیتی بیگم بن گئی اور دن بدن اس کے اثر و رسوخ

میں اضافہ ہوتا گیا۔ بادشاہ نے اپنے سنہ جلوس کے چھٹے سال 1020ھ (16) بمطابق 1611 میں ''نور محل'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

حرم سرا میں اس کی شمولیت نے اس کے خاندان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ دربار میں ایک نئی طاقت ابھر کر سامنے آئی۔ اس کا غیر معمولی اثر و رسوخ آہستہ آہستہ بہت ہی استحکام کے ساتھ پھیلنے لگا اور دربار کے سبھی شعبے میں اس کی صلاحیت و قابلیت کا بول بالا ہونے لگا۔

اس سلسلے میں، ہم عصر مؤرخ معتمد خان رقم طراز ہے:

''اس کے تمام اعزہ و اقربا مختلف مراحم و نوازش سے سر بلند ہوئے۔ غیاث بیگ کو ''وکیل کل'' بنایا گیا اور چار ہزار ذات اور تین ہزار سوار کے لقب سے نوازا گیا اور ساتھ ہی علم و نوبت سے بھی سرفراز کیا گیا۔ بیگم کے بڑے بھائی ابوالحسن کو شاہی خانساماں کی ملازمت میں شامل کر اعتماد خان اور پھر بعد میں آصف خان کے خطاب سے نوازا گیا۔ بادشاہ کے سبھی رشتہ دار کے اختیارات منسوخ کر دیے گئے۔ اور اعتمادالدولہ کے ملازم اور خواجہ سراؤں کو خان اور ترخان کے منصب سے نوازا گیا۔ ایک پرانی کنیز دلارام (17) کو حاجی کوکہ کی جگہ صدر اناث مقرر کیا گیا۔ اور جو مدد معاش عورتوں کو دی جاتی تھی اس کے لیے صدر الصدور دلارام کی مہر کو معتبر مانا گیا۔ بیگم کے بڑھتے ہوئے اثرات کے متعلق یہ شعر بہت ہی موزوں ہے ع

کنند خویش وتبا رتو ناز می زیبد
بہ حسن یک تن اگر یک قبلہ ناز کنند (18)

درحقیقت پانچ برس کی کم مدت میں اس کی بے مثال شخصیت اور جہانگیر کے لیے اس کی بے پناہ محبت نے شہنشاہ کو اتنا گرویدہ کر دیا کہ بیگم کے لیے اپنی بے پناہ چاہت، عزت اور محبت کی نشانی کے طور پر گیا۔ ربیع الاول 1025 A.H. (19) بمطابق 29 مارچ 1616 کو جہانگیر نے اسے نور جہاں کے خطاب سے نوازا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ''شادی بہت ہی خوش آئند اور کامیاب ثابت ہوئی۔ اور وہ

دن بدن جہاں پناہ کی محبت اور اعتماد حاصل کرتی گئی اور جہانگیر کی سب سے محبوب، لائق اور چہیتی ملکہ بن گئی، جہاں وہ ایک عزت وشرف والے خاندان سے تعلق رکھتی تھی وہاں اس نے اپنی شخصیت، حسن کردار اور پوشیدہ صلاحیت سے اپنے مقام ومرتبہ (20) میں اور بھی اضافہ کیا۔''

مختصر یہ کہ 1607 میں شیر افگن کی موت کے بعد شاہی حکم کی تعمیل سے وہ دربار میں لائی گئی اور اسے اکبر کی بیوہ سلطان رقیہ بیگم کی خدمت میں رکھا گیا۔ شہنشاہ جہانگیر نے جشن نوروز کے موقع پر اپنے سنہ جلوس کے چھٹے سال اتفاقاً اسے دیکھا۔ اس کی خوب صورتی اور حسن کی شادابی نے شہنشاہ کی دوربیں نظر کو متوجہ کر لیا اور جہانگیر اس کا گرویدہ ہو کر رہ گیا اور مئی 1611 میں اس سے شادی کر لی۔ اس نے بہت جلد ہی شہنشاہ کو اپنی محبت اور جان نثاری سے متاثر کر لیا اور جہاں پناہ کی سب سے پسندیدہ ملکہ کی حیثیت سے اس کا شمار ہونے لگا۔ بادشاہ نے اسے پہلے نور محل اور بعد میں نور جہاں کے خطاب سے رونق افروز کیا۔ ملکہ بننے کے بعد اس کا اثر ورسوخ پورے ملک میں پھیلنے لگا اور اس کے خاندان کی تاریخ میں ترقی وکامرانی کے ایک نئے سنہرے باب کی شروعات ہوئی۔

☆☆☆

حوالہ جات

1۔ حیدر ملک اس واقعہ کا چشم دید گواہ ہے جس نے پوری تفصیلات پیش کی ہے جبکہ ہم عصر یا بعد کے کسی مصنف نے اس طرح کی کوئی تفصیلات پیش نہیں کی ہے۔

2۔ کالو طاق بنگال کے مشرقی کنارے پر بردوان میں واقع ہے۔

3۔ توزک (آر، بی) 112۔ کامگار (مطبوعہ) 98

4۔ حیدر ملک۔ 212

5۔ ڈچ مصنف ڈی لیٹ نے اس نکتے پر ایک اہم اور دلچسپ بیان پیش کیا ہے۔ اس کے مطابق بادشاہ بذات خود کابل سے آگرہ روانہ ہوا۔ اس نے اسلم خان کو فرمان جاری کیا کہ وہ شیر افگن کے خاندان کے لوگوں اور خاص طور پر اس کی بیوہ مہرالنسا اور اس کے بھائی کو فوراً آگرہ روانہ کرے۔ صوبہ بہار پہنچنے پر مہرالنسا نے ایک خاص درویش کو جس کے متعلق اس نے یہ سن رکھا تھا کہ وہ ایک ''سچا پیشن گو'' ہے، سے ملاقات کی۔ درویش نے اس کو دیکھتے ہی یہ پیشن گوئی کی کہ بادشاہ اس سے بہت خوش ہوگا اور اس کا مستقبل شاندار طریقے سے کامیاب ہے۔ ڈی لیٹ 180۔

لیکن ڈی لیٹ کے بیان کی تائید کسی ہم عصر یا بعد کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

6۔ ہم عصر ماخذ میں صرف خافی خان اور بعد کے تاریخ میں کیمبرج ہسٹری آف انڈیا اور ایشوری پرشاد سلطان رقیہ بیگم کے بجائے سلطان سلیمہ بیگم کہتے ہیں، ورنہ سبھی ہم عصر اور بعد کے مؤرخین رقیہ بیگم پر متفق ہیں۔ خافی (1) 268، کیمبرج ہسٹری آف انڈیا (4) 163۔ ایشوری پرشاد 449۔

7۔ آئین (بلاک مین) (1) 573

8۔ توزک (آر اینڈ بی) (1) 115

9۔ خافی خان (1)268

10۔ چندراپنت (حاشیہ)49

11۔ ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن (6) 404

12۔ اقبال نامہ 56، کامگار 143، ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن (6)404، مآثر جہانگیری میں لفظوں میں تھوڑی سی تبدیلی ہے۔

13۔ توزک (آر اینڈ بی) (1)192 ۔ اقبال نامہ 56 ۔ کامگار مطبوعہ 143 ۔ خافی (1) 263 ۔ مفتاح 114 ۔ شاہنواز (1) 130 ۔ ذخیرۃ 32 ۔ ڈچ مصنف شادی کے متعلق بہت ہی دلچسپ اور انوکھی داستان پیش کرتا ہے۔ وہ رقم طراز ہے:

> ''یہ واقعہ کچھ دنوں بعد ہوا جب رقیہ بیگم مہر النسا کو شہنشاہ کے حرم سرا میں لے گئی۔ شہنشاہ اندر آئے اور جاننے کے بعد کہ وہ موجود ہے لیکن نقاب میں ہے اس کے نقاب کو خود سے ڈھیلا کیا۔ اس کی طرف دیکھا۔ کچھ دنوں کے بعد جبکہ نئے سال کا جشن منایا جا رہا تھا اور بادشاہ اپنی باندیوں کے ساتھ لطف اندوز تھا۔ مہر النسا نے اپنی لڑکی کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا جو چھ سات برس کی تھی۔ اس وقت تک بادشاہ کو مہر النسا سے کافی محبت ہو گئی تھی۔ مسکرا کر کہا ''میں اس بچی کا باپ ہوں گا،'' مہر النسا نے جواب دیا: ''میں کون ہوں جس کو بادشاہ سلامت کی بیگمات میں شامل کیا جائے۔ جہاں پناہ مجھے نظر انداز اور رسوا ضرور کریں کیونکہ میں تو ایک غریب بیوہ ہوں آپ صرف اس بچی پر مہربانی کریں۔''

اس کے بعد بادشاہ مہر النسا کی محبت میں اس طرح دیوانہ ہو گیا کہ وہ ہر شام ایک کشتی کے ذریعہ اعتماد الدولہ کے یہاں جاتا تھا اور صبح میں محل واپس آتا تھا۔ چالیس دنوں تک وہاں آنے جانے کے بعد اس نے خواجہ ابوالحسن (اسے نور جہاں کا بھائی ابوالحسن یا آصف خان نہیں سمجھنا چاہیے اس خواجہ نے اپنی ملازمت دانیال کے دیوان کی حیثیت سے شروع کی اور دکن کے مہم میں نمایاں نام کمایا۔ وہ کچھ دنوں تک شاہی خانساماں کا بخشی بھی رہا اور بعد میں دیوان بنا) کو ہدایت

دی کہ اعتماد الدولہ سے مہر النسا کا ہاتھ مانگے کیونکہ بادشاہ نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ اس کو اپنی بیگم بنائے گا اور سبھی بیگمات میں افضل و اعلیٰ رکھے گا۔ خواجہ ابوالحسن نے اس ہدایت کو یہ کہہ کر ''یہ شاہی ناموس کے خلاف ہے کہ وہ ایسے آدمی کی لڑکی سے شادی کرے جو کہ ایک بڑے عتاب کا شکار رہا ہے۔'' اور اس طرح اس نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ بادشاہ نے ابوالحسن کے مشورہ کو بے التفاتی سے سنا اور ناراضگی ظاہر کرنے کے باوجود شادی کے پیغام کو فوراً لے جانے کا حکم دیا۔ یہ پیغام ملتے ہی اعتماد الدولہ آئے اور کہا کہ ''یہ میری نالائقی ہوگی اور اعلان کیا کہ اس کی لڑکی بادشاہ کی مرضی کا خیال ضرور رکھے گی۔ آخر کار ایک مبارک دن کا انتخاب کیا گیا اور بادشاہ نے قاضی کے سامنے اس سے شادی کرلی۔ ڈی لیٹ 82-81

ڈیلا ویل جس نے ہندوستان کے مغربی سمندر کے کنارے کا 24-1623 میں سفر کیا اور شادی کے متعلق یہ بازاری افسانہ درج کیا ہے۔ ''وہ (جہانگیر) حرم میں لے گیا اور اسے دوسری داشتہ عورتوں کی طرح رکھا۔ مگر اس چالاک اور حوصلہ مند عورت نے بڑی دیانت داری کی مثال پیش کی اور اس کے حرم میں جانے سے انکار کردیا اور کہا کہ وہ ایک باعزت کماندار کی بیوی رہ چکی ہے اور ایک معزز شریف باپ کی لڑکی ہے اور اپنی عزت پر کبھی حرف نہیں آنے دے گی اور اس کا شاہی حرم میں جاکر باندیوں کی طرح زندگی گذارنا اس کے شایان شان نہیں ہے۔ اس لیے اگر بادشاہ سلامت کو اس سے اُنس و محبت ہے تو وہ باقاعدہ شادی کر کے اسے رکھ سکتا ہے جس سے اس کی عزت نہ صرف محفوظ رہے گی بلکہ بڑھ جائے گی۔ وہ اس شرط کے ساتھ حاضر ہے۔ شاہ سلیم تو پہلے اس کے گستاخانہ اور مغرورانہ رویہ پر بہت برانگیختہ ہوا اور تقریباً طے کرلیا کہ اسے ذلیل کرنے کے لیے اسے حلال خور جیسی نیچی ذات سے شادی کرادے گا لیکن وہ اپنے عزم پر قائم رہی اور کہا کہ وہ اپنے ارادہ کو بدلنے کے بجائے مرجانا گوارا کرے گی۔ تاہم بادشاہ کے دل میں پھر محبت نے زور پکڑا۔ لیکن بعض حضرات کہتے ہیں۔ (اس کا مجھے یقین نہیں ہے) بادشاہ کو کافی متاثر کیا اور عورت کا حسن جو روز افزوں تھا۔ بالآخر بادشاہ نے اسے بطور ملکہ اور دوسری رانیوں سے بالا تر قبول کرنا پسند کیا۔ ڈیلا ویل 54-53۔

مندرجہ بالا تفصیلات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔

☆ اول تو یہ کہ اس کے بیان کی تائید کسی ہم عصر یا بعد کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

☆ دوسرے یہ ایک بازاری گپ معلوم ہوتا ہے جس کا مقصد جہانگیر کی شخصیت پر داغ لگانا اور نور جہاں کے روشن مستقبل کو تاریک کرنا ہے۔

14۔ ایشوری پرشاد۔ 651

15۔ آئین (بلاک میں) 574

16۔ خافی (1) 268، اقبال نامہ۔ 56، کامگار (مطبوعہ) 163۔

17۔ شاہنواز خان فارسی نسخہ میں ہیرا کنیز لکھتا ہے جبکہ معتمد خان پیر کنیز کہتا ہے۔

18۔ اقبال نامہ 56-55

19۔ توزک (آر اینڈ بی) (1) 319

20۔ ڈاکٹر آر، پی ترپاٹھی۔ 369

☆☆☆

باب پنجم

بادشاہ بیگم کی حیثیت سے نور جہاں پہلی خاتون مملکت فرماں روائی اور اقتدار کی حصولیابی

> ''میں نے اس کی مہربانیوں پر بھروسہ کیا۔ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ میرا کوئی ہمدرد تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ میری شراب نوشی کم کردی اور ان ساری چیزوں سے مجھے دور رکھا جو میرے لیے نقصان دہ تھی'' ——— جہانگیر

مغلیہ عہد میں شاہی خاندان کی خواتین نے اپنے نمایاں کردار کی وجہ سے مملکت میں اعزازی مقام حاصل کیا۔ بادشاہانِ وقت نے مختلف خطاب والقاب سے نواز کر ان کی عزت افزائی کی اور وہ اکثر و بیشتر اسی اعزاز والقاب سے مشہور (1) ہوگئیں۔

شہرہ آفاق مؤرخ ڈاکٹر سر جادو ناتھ سرکار رقم طراز ہیں۔'' مغلیہ عہد میں پہلی خاتون مملکت ہونے کا شرف بادشاہ کی خاص ملکہ کے بجائے بادشاہ کی ماں یا بڑی بہن کو حاصل تھا۔ علاوہ ازیں سر جادو ناتھ سرکار یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہندستانی تہذیب کا یہی تقاضا ہے کہ بیوی کے بجائے ماں یا بڑی بہن کو امور خانہ کا مالکانہ اختیار حاصل ہونا چاہیے۔ لیکن مغلیہ دور کی تاریخ میں یہ ایک

انوکھی مثال ہے جب جہانگیر نے اپنی بیگم نور جہاں کو اس خصوصی اعزاز (2) سے نوازا۔

بہر حال جیسے جیسے وقت گذرتا گیا نور جہاں کی صلاحیت، ذہانت، سیاسی شعور اور جہانگیر کے لیے جذبۂ جان نثاری نے جہانگیر کو اتنا اثر انداز کیا کہ 1021ھ بمطابق 1622 میں جہانگیر نے اسے "بادشاہ بیگم (3)" کے اعزازی خطاب سے نواز کر نہ صرف اسے مملکت کی خاتون اوّل بنایا بلکہ امُور خانہ داری کا مالکانہ حقوق بھی سپرد کر دیا۔

ٹی ڈبلو بیل لکھتے ہیں کہ "درحقیقت وقت کے رفتار کے ساتھ ساتھ نور جہاں اپنے شوہر جہانگیر کے دل و دماغ پر پوری طرح سے قابض ہوگئی اور امور سلطنت میں گہری دلچسپی لینے لگی، وہ امور سلطنت کی روح رواں بن گئی اور اس کے اختیارات مکمل تھے۔ بادشاہ اس سے بغیر صلاح و مشورہ کے کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا اور ہر ایک معاملے میں اس کی مرضی ہی قانون (4) تھی۔"

خافی خان لکھتے ہیں۔

"بادشاہ شرعی اور عدالتی قانون کو چھوڑ کر امور سلطنت کے کسی معاملے میں نور جہاں کے مشورے (5) کے بغیر کوئی حکم صادر نہیں کرتے تھے۔"

مختصر یہ کہ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ جہانگیر کے اوپر نور جہاں کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کی وجہ سے وہ نام کا بادشاہ رہ گیا اور اسے کوئی اختیارات حاصل نہیں تھے۔ وہ خود ہی عالم مزاح میں اکثر کہا کرتا تھا:

"وہ جانتا ہے کہ نور جہاں بیگم حکمرانی کے لیے پوری طرح لائق ہے اور اسے خوش رہنے کے لیے تھوڑا شراب اور گوشت چاہیے۔" (6)

لیکن مختلف اختیارات کے باوجود اس کے نام کا خطبہ نہیں پڑھا گیا۔ پھر بھی جتنی باتیں لوازم سلطنت و فرمانروائی سمجھی جاتی تھیں سب بیگم سے منسوب ہوگئیں۔ تھوڑی دیر جھروکے میں بیٹھتی تھیں تو سب لوگ کورنش کو حاضر ہوکر (7) احکام پر کان لگائے کھڑے رہتے تھے۔ کبھی اسے خراج تحسین پیش کرنے میں کوشاں رہتے تھے اور اس حقیقت سے پوری طرح آشنا تھے کہ بیگم کے ایک لفظ سے ان کی قسمت بن اور بگڑ سکتی ہے۔ (8)

خافی خان فرماتے ہیں:

''بادشاہ اس سے شاذ و نادر ہی الگ رہتے تھے یہاں تک کہ حکومت
کے کام کاج کے دوران اور گھوڑسواری کے وقت بھی اپنے پیچھے بٹھاتے
تھے(9)۔''

نور جہاں کو مختلف جاگیریں بھی عطا کی گئیں جو سلطنت کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کی رامسر کی جاگیر جے پور کے جنوب مشرق میں قریب سولہ میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ شہزادہ خرم کے کمان میں جب دکن کے فتح کی خوشخبری ملی تو جہانگیر نے نور جہان کو جاگیر کی شکل میں ٹوڈا کا پرگنہ عطا کیا جس کی سالانہ آمدنی دو لاکھ روپیہ تھی اور جاگیر(10) کے نظم ونسق کے لیے اس کا اپنا وکیل مقرر تھا۔ مختلف جاگیر جو اس کے اختیار میں تھی وہ تیس ہزار منصب دار کے برابر تھی اور جس کی تصدیق(11) ابوالفضل نے بھی کی ہے۔

جاگیر کے عطیات اور دیگر سہولتوں کے علاوہ نور جہاں کو کچھ اور خصوصی اعزاز اور اختیار بھی حاصل تھے۔ ہم عصر ریکارڈ کے مطابق اسے بھوٹان، بنگال اور سکندرہ آباد سے آنے والے تاجروں سے محصول بھی وصول کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ علاوہ ازیں اپنے والد اعتماد الدولہ کی موت کے بعد سے بادشاہ کی طرف سے اعتماد الدولہ کی ساری املاک کا مالکانہ حقوق بھی حاصل ہو گیا اور بادشاہ کے بعد سے نوبت اور نقارہ(12) بجانے کا اختیار بھی حاصل ہو گیا۔

مختلف اعزاز و جاگیر اور عطیات کے علاوہ سکے پر نور جہاں کا نام بھی شامل کیا گیا۔ پہلی بار کسی مغل بادشاہ نے اپنی کسی بیگم کو اس اعزاز سے نوازا تھا۔

معتمد خاں کا کہنا ہے کہ سکے پر نور جہاں(13) کا نام لکھا تھا لیکن مشہور مؤرخ ڈاکٹر بینی پرشاد فرماتے ہیں کہ اس کے نام کے جو سکے چلائے گئے اس کے بالائی تحریر میں یہ اضافہ کیا گیا۔

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور
بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر(14)

ویسے شاہی فرمان صادر کرنے کا مکمل اختیار صرف بادشاہ کو تھا، لیکن صرف نور جہاں کو یہ خصوصی اختیار حاصل تھا اور اکثر و بیشتر فرمان (15) جاری کرتی تھیں، سبھی فرمان پر منجملہ(16) طور پر نور جہاں بیگم کے بھی دستخط ہوتے تھے اور شاہی مہر لگتی تھی۔ آج بھی کچھ فرمان

بیکانیر (17) کے اسٹیٹ ارکائیو میں محفوظ ہیں۔

فرمان کے ساتھ ساتھ حکم، نشان، اور دیگر دستاویز جیسے حسب الحکم جو کہ وزیر اعظم کے ذریعہ صادر ہوتے تھے، سند، نور، پروانہ، جو دربار کے لائق افسر کے ذریعہ صادر کیے جاتے تھے لیکن نور جہاں بھی ان میں سے ایک تھیں جس کو یہ سارے اختیارات حاصل تھے۔

عام طور پر غیر ملکی ممتاز شخصیتوں کے ساتھ خط و کتابت بادشاہ اور اس کے دفتر کے مقررہ عہدہ داروں کے ذریعہ ہوتا تھا لیکن ایسے نظیر موجود ہیں جب نور جہاں کو غیر ملکی سفیروں کا خیر مقدم کرنے اور ان سے تحفہ تحائف وغیرہ قبول کرنے کا اختیار (18) حاصل تھا۔

توران (19) کے فرماں روا امام قلی خان کی والدہ کی طرف سے نور جہاں کو ذاتی خط موصول ہوا جس میں انھوں نے نور جہاں کے متعلق نیک خواہشات اور ذاتی الفت کا ذکر کیا۔ خط کے ساتھ ساتھ انھوں نے کچھ نادر تحفے بھی ارسال کیے جس کے جواب میں نور جہاں نے سمرقند کے خواجہ فتح کے معرفت تورانی حکمراں (20) کی والدہ کے لیے چند چنندہ تحفے ارسال کیے۔

روز روشن کی طرح یہ بات بالکل واضح ہے کہ جہانگیر کو اس کے احساسات کا اتنا خیال تھا کہ اس نے اس کے کہنے پر شراب نوشی میں کمی کر دی۔ 1614 میں جب جہانگیر بیمار پڑا تو اس کی اطلاع کسی کو نہیں دی گئی کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ اس خبر سے پورے مملکت میں غیر ضروری افواہ پھیل جائے گی اور امور سلطنت میں افراتفری کا بازار گرم ہو جائے گا لیکن یہ صرف نور جہاں بیگم ہی تھی جس پر بادشاہ نے اعتماد کیا اور علالت کی اطلاع اسے دی گئی۔ جہانگیر نے اپنی سوانح حیات میں لکھا ہے:

> ''میں نے اس کی اطلاع صرف نور جہاں کو دی کیونکہ مجھے اس کا احساس تھا اور کسی کو (21) ہم سے محبت نہیں تھی۔''

اس طرح نور جہاں کو جہانگیر سے جو خطابات، اعزاز و اختیارات حاصل ہوئے اس سے اس کے دل و دماغ کی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس نے شہنشاہ کا پورا اعتماد حاصل کیا اور کوئی بھی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رکھا، ان دونوں کے درمیان کبھی بھی کسی طرح کی غلط فہمی یا بے اعتمادی نہیں آئی جس سے ازدواجی زندگی پر برا اثر پڑے۔ وہ جہانگیر کے آخری سانس تک اس کی سب

سے شفیق، فلسفی اور ہمدرد بنی رہی۔ جہانگیر نے اس کو حکمرانی میں قابل قدر شرکت کا اختیار دیا اور کبھی بھی حکومت میں اس کے بڑھتے ہوئے اثرات کے خلاف امرا کے احتجاج کو اہمیت نہیں دی۔ فطری طور پر وہ نہ صرف شہنشاہ پر بلکہ سلطنت پر بھی کافی حد تک اثر انداز تھی۔

لیکن بادشاہ بیگم کی حیثیت سے اس کے غیر معمولی استحقاق اور اثر و رسوخ کے سبب ہم عصر ملکی مؤرخین اور غیر ملکی سیاحوں نے اس پر مختلف بدعنوانیوں کا الزام لگایا ہے۔

پہلا الزام یہ ہے کہ نور جہاں نے بادشاہ کو ''مفقود الوجود'' (Non-entity) کے مقام پر پہنچا دیا۔

دوسرا۔ اس کے اثر و رسوخ کے سبب اس کے خاندان کے افراد اور لواحقین کی ترقی کے معاملے میں بدعنوانیوں میں اضافہ ہوا۔

تیسرا۔ اس نے اپنے اختیارات کا غلط استعمال کر اپنے داماد شہریار کو اقتدار میں لانے اور لائق شہزادہ خرم کو اپنے باپ کے ساتھ ساتھ اقتدار کی وراثت سے دور کرنے کی سازش کی۔

ہم عصر مؤرخ معتمد خان بخشی کے لفظوں میں '' آخر کار اس کی طاقت اس انتہا کو پہنچ گئی کہ بادشاہ صرف نام کا رہ گیا۔'' (22)

کامگار حسینی نے معتمد خان کے الزام کی ان لفظوں میں تائید کی ہے:

> ''جب نور جہاں کے اثرات امور سلطنت میں تصورات کے حدود سے زیادہ تجاوز کر گئے اور بادشاہ نے امور سلطنت کی ساری ذمہ داریاں اس کے ہاتھوں میں سونپ دی اور وہ صرف (23) نام تک محدود رہ گیا۔''

اس طرح کے الزام مختلف یورپی سیاحوں کے ذریعہ بھی لگائے گئے ہیں۔ ڈچ سیاح پیلز زٹ فرماتے ہیں:

> ''جہانگیر نے اپنی شخصیت اور مرتبہ و عہدہ کا بغیر خیال کیے ایک عام خاندان کی بیوہ کے سامنے اپنے آپ کو سرنگوں کر دیا خواہ اس کی خوشامدی زبان کا ہی نتیجہ کیوں نہ ہو اس نے اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے کو بے انتہا خزانے کا مالک بنا دیا اور شاہی مرتبہ سے زیادہ اپنے کو محفوظ کر لیا۔''

وہ مزید لکھتا ہے:

بادشاہ امور سلطنت میں اپنے کو زحمت میں نہیں ڈالتا تھا بلکہ اس طرح کا سلوک کرتا تھا جیسے اس کو ان سب چیزوں سے کوئی مطلب نہ ہو۔ اگر کوئی شخص عرضی دے کر بادشاہ سے ملاقات کا شرف حاصل کر بھی لیتا تھا اور بے شک اس کی عرضی کو بادشاہ سنتا بھی تھا لیکن ہاں یا نہیں میں کوئی پختہ جواب نہیں دیتا تھا بلکہ آصف خان کے سپرد کر دیتا تھا اور وہ اس طرح اپنی بہن ملکہ بیگم (24) سے بغیر صلاح مشورہ کے فیصلہ نہیں کرتا تھا۔

دوسرا یورپی سیاح ٹیری نے ان لفظوں میں اس کی تائید کی ہے:

''اس نے وہی کیا جو اس کو امور سلطنت (25) میں کرنے میں خوشی ہوئی۔''

برنیر جس نے اورنگ زیب کے دور حکومت کے اوائل میں اپنی تصنیف کی شروعات کی۔ اس نے بھی ان لفظوں میں اس کی طاقت اور مرتبہ کے متعلق اظہار خیال کیا ہے:

''جہانگیر کی بیوی جس نے ایک لمبے عرصے تک شاہی عصا کو مضبوط کیا جبکہ اس کا شوہر شراب اور عیش (26) میں غرق تھا۔''

مندرجہ بالا الزامات کی بے شک منصفانہ طور پر تجزیہ کی ضرورت ہے۔

ہم عصر اسناد کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اس نے کبھی بھی آزادانہ طور پر نہ تو فرمانروائی اختیار کی اور نہ ہی اقتدار پر قبضہ جمایا اور نہ جہانگیر کو نابودگی کی حالت میں لایا۔ بے شک جہانگیر کی سب سے محبوب ملکہ ہونے کی وجہ سے اس نے قابل لحاظ اثر و رسوخ اور اختیارات کا استعمال کیا اور فرمان کے بجائے حکم صادر کیا۔ علاوہ ازیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر مصنفین لفظ ''حکم'' کے معاملے میں قدرے شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔ ڈاکٹر ایس اے ترمذی نے اپنی مشہور و معروف شاہکار Edicts from the Mughal Harem میں صحیح طور پر اسے ''حکم'' کہا ہے نہ کہ ''فرمان''۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم عصر دستاویزات میں کوئی ایسا ثبوت نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو کہ اس نے طاقت کا بیجا استعمال کیا۔ اس کے حکم مدد معاش اور

جا گیر کے عطیات تک ہی محدود تھے۔ اس نے اپنے شوہر کو صرف مشورہ دیا اور وہ بھی جب اس کے شوہر نے اس سے مشورہ مانگا اور اس کے باوجود نور جہاں نے آخری فیصلہ شہنشاہ پر چھوڑ دیا۔ مثال کے طور پر جہانگیر نے خان جہاں لودھی کو دکن سے دربار میں واپس بلانے کے متعلق جب مشورہ لیا تو اس نے بادشاہ کے حضور میں یہ عرض کیا کہ اگر بادشاہ کی یہی خواہش ہے تو واپس بلالیں۔ اس طرح اس نے حتمی فیصلہ بادشاہ (27) پر ہی چھوڑ دیا۔ اس طرح جیسا کہ بنی پرشاد نے لکھا ہے کہ یہ ماننا غلط ہوگا کہ بادشاہ پوری طرح سے صفر کے مقام پر پہنچ گیا تھا۔ درحقیقت خارجی معاملے کی ساری حکمت عملی، داخلی معاملے کے سارے قوانین اور امور سلطنت کے سارے اصول ولائحہ عمل پوری طرح سے درست اور کارفرما تھے۔

برنیر اور پیلز رٹ کے مطابق جہانگیر نے امور سلطنت میں دلچسپی لینے کی زحمت گوارہ نہ کی اور اپنے آپ کو پوری طرح شراب نوشی اور عیش وعشرت میں غرقاب کردیا (28)۔

لیکن اس کے دوسری طرف انگریز سیاح سر ٹامس رو رقم طراز ہے کہ جہانگیر کی ناراضگی اس وقت اپنے عروج پر پہنچ گئی اور اس نے کونسل آف چیمبرس میں شہزادہ خرم کو بری طرح پھٹکارا جب اس کا نام مغربی سمندری بندرگاہ (29) پر ایک انگریز تاجر کے ساتھ ناانصافی کے معاملے میں ملوث کیا گیا۔

ان سبھی شواہد سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جہانگیر اپنے فرائض کے معاملے میں پوری طرح محتاط تھا اور امور سلطنت میں مستقل طور پر گہری دلچسپی لے رہا تھا۔

لیکن ایک غیر ملکی سیاح پیٹر منڈی جس نے 1629 سے 1634 کے درمیان ہندوستان کے سفر پر رہا۔ لکھتا ہے:

> ''وہ (جہانگیر) نور جہاں سے شادی کر کے اس کا قیدی بن گیا، اس کے عہد میں وہ امیر تقریباً پورے طور پر حکومت کرتی ہے۔ اپنے نام کا سکہ جاری کرتی ہے، جو چاہتی ہے تعمیر کرتی ہے اور جس طرح چاہتی ہے معاملات طے کرتی ہے، جسے چاہتی ہے بادشاہ کی نظروں سے گرادیتی ہے اور جسے چاہتی ہے اوپر اٹھا دیتی ہے۔''

لیکن اس تذکرہ کے علاوہ وہ ایک اہم نکتہ پیش کرتا ہے جو قابل غور ہے:

''نور جہاں اور دیگر لوگوں کے متعلق جو اس نے رپورٹ لکھا ہے وہ ناخواندہ اور نیچے طبقہ کے لوگوں کے ذریعہ حاصل کئے گئے خیالات(30) ہیں۔''

درحقیقت نور جہاں کی کشش کا مرکز جہانگیر تھا۔اس نے ان لوگوں کے ساتھ تھوڑی بھی رحمدلی کا برتاؤ نہیں کیا جو جہانگیر کے دشمن تھے اور اسے تخت سے دست بردار (31) کرنا چاہتے تھے۔ جب تک ایسے لوگ اپنی بے وفائی کی روش کو وفاداری کے لباس میں پوشیدہ نہ کرلیں۔مختصر میں:

''ایک عقیدت مند بیوی کی طرح وہ جہانگیر کی زندگی میں وفادار رہی اور اس کے مرنے کے بعد بھی وفا شعاری کا دامن نہیں چھوڑا اور حکومت کے معاملات میں اس کے شانہ بہ شانہ رہی۔داخلی معاملات میں اس کو پوری طرح سے تعاون کیا اور خاص طور سے اس وقت جب جہانگیر نے سخت علالت کے سبب زندگی کی امید(32) چھوڑ دی تھی تو نور جہاں نے اپنی خدمات سے اس کی زندگی کو ایک نئی جلا بخشی۔''

1621 میں جب جہانگیر سخت علیل ہوا،حکما کی دوائیں اسے آرام پہنچانے میں ناکام ثابت ہوئیں تو ایسی صورت میں نور جہاں کی خدمات اور دوا سے اسے بہت فائدہ پہنچا اور صحت واپس ہوئی۔خود جہانگیر نے اس سلسلے میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے:

''نور جہاں بیگم۔جس کی ہنرمندی اور تجربات معالجوں سے زیادہ اہم ہیں۔اس کی محبت اور جانثاری نے ہمارے شراب کے پیالے میں کافی کمی کر دی اور یہ ہمارے حالات اور وقت کے مطابق کافی سودمند ثابت ہوا۔گرچہ اس کے قبل اس نے معالجوں کے دوا کی تائید کی لیکن اس بار میں نے اس کی مہربانیوں پر بھروسہ کیا۔اس نے آہستہ آہستہ ہمارے شراب نوشی میں کمی کی اور ہمیں ان چیزوں سے جو ہمارے لیے مناسب نہیں تھیں دور رکھا اور ویسے

خوردنی اشیا سے جو ہمارے لیے نقصان دہ (33) تھے پرہیز کرایا۔

تاریخی حقائق کا غائر مطالعہ کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اپنے شوہر جہانگیر کو سپہ سالار مہابت خان کی قید سے آزاد کرانے میں اس نے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالا اور جہانگیر کے انتقال کے بعد اس کے جنازہ کی حفاظت کی جبکہ جہانگیر کی زندگی کے وفادار ملازم اور اہل کار بادشاہ کی موت کے ساتھ اس کا ساتھ چھوڑنے میں پیش پیش تھے۔ آصف خان جس کو جہانگیر نے زمین سے اٹھا کر بام عروج تک پہنچا دیا تھا جہانگیر کے مرنے کے ساتھ ہی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور اپنی بہن نور جہاں کے بار بار بلانے پر بھی مختلف عذر پیش کیا اور ملنے نہیں آیا۔

اس طرح ہم عصر تاریخی حقائق کا تجزیہ کرنے کے بعد اس کے اوپر لگائے گئے یہ الزام کہ اس نے جہانگیر کو نابودگی کے حالات میں لا کھڑا کیا اور بادشاہ بیگم کی حیثیت سے اقتدار و اختیارات کا بیجا مصرف لیا۔ درست نہیں ہے۔ بے شک نہایت ہی ذہین و تعلیم یافتہ خاتون ہونے کے ناطے اور پھر جہانگیر کے لیے اس نے جو والہانہ محبت و عقیدت اور جانثاری کا خلوص دل سے مظاہرہ کیا اس کے سبب مملکت میں وہ سرفرازیاں حاصل کیں جو اس کے قبل کسی مغلیہ خاتون کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی پوری ذاتی صلاحیت سے نہ صرف جہانگیر کی خدمت کی بلکہ اس کے مزاج کا بغور مطالعہ کیا۔ امور سلطنت کے اصولوں پر عمل کیا۔ شہنشاہ کو ہر طرح کا سکون دیا اور بڑے حد تک جہانگیر کو پریشانی (34) اور انتشار سے دور رکھا۔

معتمد خان اور شاہنواز خان نے نور جہاں پر دوسرا الزام یہ لگایا ہے کہ اس کے خاندان کی ترقی بادشاہ پر اس کے اثر و رسوخ کی وجہ سے ہوئی۔ ڈچ سیاح پلیز رٹ نے اس سلسلے میں اپنا نظریہ اس طرح پیش کیا ہے:

> ''اس کے پہلے اور بعد کے معاون پوری طرح سے انعام و اکرام سے نوازے گئے اور اس طرح بادشاہ کے نزدیک جو مختلف لوگ تھے ان کی ترقی صرف بیگم کی وجہ سے ہوئی۔ وہ (جہانگیر) صرف نام کا بادشاہ رہ گیا۔''

وہ مزید کہتا ہے۔

> ''بادشاہ کے احکام سے تقرری کے معاملے میں مختلف قسم کی غلط فہمیاں

پیدا ہوئیں اور ایسے احکام کی کوئی اہمیت نہیں تھی جب تک (35) بیگم کی طرف سے اس کی منظوری نہ مل جائے۔''

ہمعصر تاریخی اسناد کا تجزیہ کرنے کے بعد معتمد خان اور شاہ نواز خان کا الزام صحیح ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے خاندان کی خوش بختی اور عروج حقیقت میں اکبر اعظم کے عہد میں ہی شروع ہو چکی تھی جب کہ اس کا خاندان اس وقت مغلیہ مملکت میں نئے طور پر داخل ہوا تھا۔ اس لئے اس وقت اس کے خاندان کی نشاندہی نہیں کی گئی جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس خاندان کا مملکت کے دوسرے خاندان کے ساتھ رشتے وتعلقات قائم ہوئے اور فطری طور پر جہانگیر کے عہد میں خاندان کے زیادہ سے زیادہ افراد شہرت میں آئے اور سرفرازیاں حاصل کیں۔

اس طرح نور جہاں کے خاندان کی ترقی کم وبیش ایک فطری تقاضا تھا۔ جب ہم مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں کی جانچ کرتے ہیں تو منصب کے عطیات میں کوئی جانبداری کا عنصر دکھائی نہیں پڑتا۔ مثال کے طور پر عبد الرحیم خان خاناں کو سات ہزار ذات اور سات ہزار سوار کا منصب (36) 1618 میں مل گیا تھا جب کہ اعتماد الدولہ کو یہ منصب ایک سال بعد ملا (37)۔ اسی طرح دیگر اہم خاندان کے افراد کو بھی جس کا اس خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بڑے بڑے منصب سے سرفراز ہوئے۔ جیسے عبداللہ خان فیروز جنگ مختلف مہربانیوں اور منصب (38) سے سرفراز کئے گئے۔ یہاں تک کہ مہابت خان کا خاندان بھی اس دور میں سورج گہن کا شکار نہیں ہوا۔ گرچہ 1612 تک اس کے ذاتی منصب میں چار ہزار ذات اور 3500 سوار سے زیادہ کا اضافہ نہیں ہوا پھر بھی 1615 میں اس کو اہم جاگیروں کے عطیات اور دو اسپ وسہ اسپ (39) کے عہدہ سے سرفراز کیا گیا۔ اس کو تین کروڑ دام کے اضافی جاگیر سے نہ صرف نوازا گیا بلکہ اس کو کابل کی بغاوت (40) کے کچلنے کی کمان سونپی گئی۔ اس کے لڑکے امان اللہ خان کو 1615 میں ایک ہزار ذات، چھ سو سوار، 1616 میں پندرہ سو ذات چھ سو سوار اور پھر 1620 میں دو ہزار ذات اور پندرہ سو سوار کے اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔

علاوہ ازیں اکبر نے اپنے عہد میں مختلف خاندان کے باصلاحیت امرا کو اعلیٰ منصب سے سرفراز کرنے کا رواج شروع کر دیا تھا۔ راجہ مان سنگھ اور عزیز خان کوکہ نے اکبر کے عہد میں

اعلیٰ منصب پایا۔ مجملہ طور پر راجہ مان سنگھ کے خاندان کو 29 ہزار اور پانچ ہزار سوار سے نوازا گیا اسی طرح عزیز خان کو کہ 29 ہزار پانچ سو کے منصب تک فائز ہوئے۔ جہانگیر نے صرف اپنے والد کے رواج کو بلا کسی تفریق کے جاری رکھا اور سبھی اہم خاندان کے افراد جس میں اعتماد الدولہ کا خاندان بھی شامل تھا او نچے منصب اور خطابات سے سرفراز کیا۔

اس طرح یہ الزام لگانا انصاف پر مبنی نہیں ہوگا کہ نور جہاں کے خاندان کے لوگوں کی ترقی، منصب میں اضافے اور اعزازی مقام اور مخصوص ذمہ داریاں شہنشاہ پر نور جہاں کے اثر و رسوخ کے سبب ہی حاصل ہوئیں۔ شہنشاہ سے اس کی شادی نے صرف اس کے خاندان کے لوگوں کو اپنی پوشیدہ ذہانت اور قابلیت کو اجاگر کرنے کا موقع فراہم کیا جس سے وہ شہرت میں آئے۔

مثال کے طور پر ابراہیم خان فتح جنگ نے گجرات صوبہ میں اپنے ملازت کی شروعات ایک بخشی اور واقعہ نویس سے شروع کی۔ گجرات کے صوبہ دار نے اس کے کام کی کافی تعریف کی اور اسکی سفارش پر اس کے منصب (41) میں اضافہ ہوا۔ 1615 میں اسے بہار (42) کا صوبہ دار بنایا گیا۔ اس نے نہایت ہی کامیابی کے ساتھ درجن سال نامی (43) زمیندار کی بغاوت کو کچل ڈالا اور ہیرے کے کانوں کو اس کے قبضہ سے آزاد کرا کر شاہی اختیار میں لایا۔ اس کے اس شاندار کامیابی سے نہ صرف اس کا منصب چار ہزار سوار کیا گیا بلکہ اسے فتح جنگ (44) کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ اسی طرح کا معاملہ باقر خان نجم ثانی (45) کا بھی ہے جس نے ملتان میں بغاوت کا خاتمہ کر امن سکون بحال کیا۔ اسی طرح احمد بیگ خان کابلی (46) اور ظفر خان (47) جس نے اپنی ذاتی صلاحیت کی بنا پر ترقی حاصل کی نہ کے نور جہاں بیگم کی جہانگیر کے ساتھ شادی کے بدولت۔ یہ اس کی ذاتی خوبی اور قابلیت تھی جس کی وجہ سے شہنشاہ جہانگیر کافی متاثر ہوا۔ ڈاکٹر آر، پی تر پاٹھی نے صحیح فرمایا ہے:

> ''یہ ماننا سراسر غلط ہوگا کہ اعتماد الدولہ نے ایوان مملکت میں ترقی، اعزاز اور خصوصی مقام جہانگیر پر اپنی لڑکی نور جہاں بیگم کے اثر و رسوخ کے سبب ہی حاصل کیا۔ حقیقت میں اس نے اپنی ذاتی صلاحیت اور ادبی قابلیت سے جہانگیر کو حکومت کے پہلے ہی سال (48) متاثر کیا۔''

جہانگیر خود اس معاملے میں رقم طراز ہے:

''اعتماد الدولہ کے ماضی کے خدمات، وفا شعاری اور قابلیت کے سبب میں نے مملکت کے اعلیٰ عہدے پر فائز کیا۔'' (49)

آصف خان کے ساتھ معاملہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے جس کی ہمہ گیر ذہانت کو مختلف علوم سے پروان چڑھایا گیا اور اس نے بھی مملکت میں اعلیٰ مقام تک رسائی حاصل کی۔''

علاوہ ازیں شہنشاہ نے اپنے سنہ جلوس کے تیسرے سال اسلام خان جیسے نوجوان آفیسر کو بنگال کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اس نے باغی عثمان افغان کے خلاف شاندار کامیابی حاصل کی اور بقول جہانگیر مملکت کے بلند عہدے پر فائز کئی امرا نے اس کے عمر اور تجربے کی کمی کی باعث غیر پسندیدہ ریمارک پیش کیا لیکن اس کے برعکس جہانگیر نے اس کی تقرری پر ان خیاالات کا اظہار کیا:

''چونکہ اس کی ذاتی صلاحیت ہماری منصفانہ نظروں کے ذریعہ محسوس کیا گیا اس لئے میں نے بذات خود اس فرض کے لئے اس کا انتخاب کیا۔ صوبہ کے معاملات کو اس نے شروع سے آخر تک جس طرح بخوبی انجام دیا کہ آج تک کسی ملازم نے انجام نہیں دیا تھا۔'' (50)

حقیقت میں اس معاملے میں جہانگیر نے ذاتی طور پر مملکت کے امرا کے ردعمل کا جو اظہار کیا ہے اس سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ حکومت کے پرانے امرا نئے اور کم عمر آفیسروں کو اپنے مقابل برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے اور مملکت کے مخصوص عہدے کو اپنے ہاتھوں میں مرکوز رکھنا چاہتے تھے لیکن اس کے برعکس جہانگیر اہم عہدے پر نوجوان اور نئے آفیسر فائز کر پرانے امرا کے غیر ضروری اثر و رسوخ کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ مشہور مؤرخ ابن حسن صحیح فرماتے ہیں:

''وہ نئے لوگوں کی کھوج میں تھا اور پرانے امرا (51) کو نظر انداز کرنا چاہتا تھا۔''

اسی طرح سنِ جلوس کے آٹھویں سال خان اعظم کو قید کرنا اور سنِ جلوس کے نویں سال اس بنا پر کہ اکبر نے خواب میں اس کی رہائی کی سفارش (52) کی ہے آزاد کرنا۔ اس بات کا پختہ

ثبوت ہے کہ اس نے امور سلطنت میں آزادانہ طور پر قدم اٹھایا۔

شاہنواز خان کا الزام ہے کہ قاسم خان جوینی (53)، حاکم بیگ (54) اور صادق خان کا عروج جہانگیر پر نور جہاں کے اثر ورسوخ کی وجہ سے ہوا۔

اگر اسے منظور بھی کر لیا جائے تو یہ کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ اکبر کے زمانے سے بیوی کے رشتہ داروں کو اونچے عہدے اور منصب دینے کا رواج قائم تھا۔ مثال کے طور پر راجہ بھارمل کی لڑکی سے 1563 میں شادی کے بعد اکبر نے راج بھارمل کو پانچ ہزار ذات اور پانچ ہزار سوار کے اونچے منصب پر فائز کیا۔ اس کے لڑکے اور پوتے کو بھی اونچے عہدے اور خطاب سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے جس سے واضح ہو کہ ان لوگوں میں صلاحیت و شجاعت کا کوئی فقدان تھا اس کے ساتھ ساتھ شاہ جہاں کے عہد میں بھی ان کا عروج ان کی قابلیت کا پختہ ثبوت ہے۔

اس طرح ہم عصر تاریخی دستاویز کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ نور جہاں کے خاندان کے لوگوں کی ترقی جہانگیر پر نور جہاں کے غیر ضروری اثر رسوخ کی وجہ سے نہیں تھا۔ جہانگیر کے ساتھ اس کی شادی نے بیشک خاندان کے افراد کو اپنی پوشیدہ جوہر اور صلاحیت کو اجاگر کرنے کا موقع فراہم کیا جس سے وہ شہرت میں آئے۔ علاوہ ازیں وہ لوگ جو نور جہاں کے خاندان سے براہ راست منسلک نہیں تھے انہیں بھی اپنی صلاحیت و قابلیت کے اظہار کا موقع فراہم کیا گیا اور شہرت میں آئے اور مختلف اعزاو منصب سے نوازے گئے۔

اس طرح ہمعصر مؤرخین اور یوروپی سیاح کا الزام ہے کہ نور جہاں کے اثر ورسوخ کی وجہ سے ہی خاندان کے افراد کو عروج یا سرفرازیاں نصیب ہوئیں صحیح ثابت نہیں ہوتے۔

کامگار حسینی، خافی خان، معتمد خان اور شاہنواز خان جیسے مؤرخین نے یہ الزام لگایا ہے (55) کہ نور جہاں نے اپنے اقتدار اور اختیارات کا بیجا استعمال کر کے اپنے داماد شہریار کو جہانگیر کا جانشیں بنانے کے لئے مملکت کے سب سے لائق اور قانونی وارث خرم کے خلاف بادشاہ کے ذہن کو زہر آلود کیا۔

مندرجہ بالا مؤرخین کے الزام کا تجزیہ کرنے کے بعد اس حقیقت سے ہم روشناس

ہوتے ہیں کہ 1622 میں جب شاہی قافلہ راولپنڈی میں خیمہ زن تھا اور جہانگیر کو شاہ ایران کی طرف سے قندھار (56) پر حملے کی اطلاع ملی تو اس نے بڑے پیانے پر تیاری کا حکم صادر کیا اور شاہجہاں کو اس کے لئے مقرر کیا گیا۔ قازوینی اور عبدالحمید لاہوری جو نور جہاں سے عداوت اور شاہجہاں سے ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے۔ رقم طراز ہیں کہ شاہجہاں کو تین وجوہات (57) کے بنا پر ایرانیوں کے حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے منتخب کیا گیا۔

اول۔ چونکہ وہ مملکت کا سب سے لائق سپہ سالار اور آزمودہ سیاست داں تھا۔

دوئم۔ یہ کہ امام علی قلی خاں نے مخصوص طور پر اس مہم کے کمان کیلئے شاہجہاں کے نام کی ہی اپنے خط میں جہانگیر سے سفارش کی تھی۔

سوئم۔ جہانگیر کا خیال تھا کہ چونکہ شاہجہاں کا ایران کے شاہ عباس کے ساتھ خط وکتابت کا سلسلہ پہلے سے قائم تھا اس لئے وہ شاہ ایران کو اس ممکنہ حملے سے باز رکھنے کے لئے متاثر کرسکتا تھا۔

اس طرح اس معاملے میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہانگیر نے شاہجہاں کی تقرری کرکوئی غلط کام نہیں کیا اور نہ ہی اس نے نور جہاں کے کسی طرح اثر یا دباؤ میں آ کر یہ قدم اٹھایا۔

علاوہ ازیں چونکہ خرم مملکت کا سب سے غیور سپہ سالار اور سیاست داں تھا اور جس نے میواڑ اور دکن کو زیر کرنے میں اپنی فوجی صلاحیت اور سیاسی تدبر کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس لیے اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے جہانگیر نے بخشی زین العابدین کے ذریعہ شاہجہاں کو دکن سے پوری تیاری کے ساتھ شاہ ایران کے ممکنہ حملے (58) کو روکنے کے لئے حکم صادر کیا اور دیگر امراء اور منصب داروں کو بھی اپنے فوجی عملے وساز وسامان کے ساتھ روانہ ہونے کا حکم دیا۔ خواجہ ابوالحسن دیوان اور بخشی صادق خان کو بھی اطراف سے افواج (59) کو قندھار کی طرف مرکوز کرنے کے لئے خصوصی طور پر مقرر کیا گیا۔

اس درمیان زین العابدین جس کو خرم (60) کو بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا دربار واپس آ گیا اور اس نے شہزادہ کی طرف سے دربار میں جو عذر پیش کیا اس کے مطابق اسے موسم باراں مانڈو کے قلعہ میں گذارنے دیا جائے اور اس کے بعد وہ دربار میں حاضر ہوگا۔ دیگر شرائط

جوخرم نے زین العابدین کے ذریعہ خط (61) میں پیش کیا وہ یہ کہ اول تو پوری افواج اس کے ماتحت کردی جائے۔ پنجاب پر اس کا قبضہ اور اس کے خاندان کے لوگوں کے محفوظ رہائش کے مدنظر رنتھمبور (62) کا قلع اسے سونپ دیا جائے۔شہنشاہ نے خط کے مضمون کو بالکل پسند نہیں کیا۔لیکن کوئی دوسرا چارہ نہ رہنے کی وجہ سے اسے یہ حکم بھیجا گیا کہ وہ موسم باراں کے بعد آئے لیکن اپنے ماتحت امرا اور سرداروں خصوصاً بارہہ کے سید زادے، بخارا کے شیخ زادہ، افغان اور راجپوتوں کو جلد از جلد روانہ کردے (63)۔لیکن شہزادے نے شاہی فرمان کی کوئی پرواہ نہ کی۔

شہزادے کے شرائط کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اس نے جو عذر پیش کیا وہ پوری طرح سے غیر مناسب تھا۔پنجاب پر پوری طرح سے اس کا تسلط اور خاندان کے افراد کے لئے محفوظ قلع وغیرہ پر بضد ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ان شرائط کے قبول کرنے کا مطلب تھا پنجاب، مالوہ، راجپوتانہ اور گجرات کے بیشتر علاقہ پر اس کا قبضہ اور مالکانہ حقوق۔اس طرح اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شہزادہ کے اندر بغاوت کے جذبات کارفرما تھے۔جیسا کہ جہانگیر خود رقم طراز ہے:

> ''میں نے خط کے مضمون اور اس کے عرضی کو بالکل پسند نہیں کیا اس کے برخلاف اس کے اندر بےدولتی کے آثار (64) عیاں تھے۔''

دوسری بات یہ ہے کہ مغلیہ حکومت کا ناموس و وقار پوری طرح سے خطرے میں تھا۔ جہانگیر نے جیسے ہی قندہار پر ایرانی حملے کی خبر سنی کشمیر کی خوب صورت وادی کو فوراً خیرآباد کر کے اپنے آپ کو پوری تیاری میں لگا دیا۔اس نے بڑے پیمانے پر فوجی تیاری کا حکم صادر کیا۔اس کے حکم کے مطابق ایرانی حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے فوج و دیگر اخراجات کے لئے کافی مقدار میں خزانہ مہیا کرانے کا انتظام کیا گیا۔حقیقت میں ایرانی حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے جہانگیر کی تیاری اس کے احتیاط، تدابیر اور فرض شناسی کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے لیکن اس کے برعکس یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا کہ شاہجہاں نے قصداً مغل سرحدی پالیسی کو تارتار کرنے کی کوشش کی۔ شہزادہ نے حالات کے اس اہم تقاضے کے وقت نہ صرف دربار آنے سے گریز کیا بلکہ اپنے ماتحت افواج کو قندہار بھیجنے کے شاہی فرمان کی بھی نافرمانی کی۔اتنا ہی نہیں، بلکہ اس نے مملکت کے مختلف

حصوں میں باغیوں کو سر اٹھانے کی ترغیب دی (65)۔ اس نے راجہ بسو کے لڑکے جگت سنگھ کو پنجاب کی پہاڑیوں میں شر انگیزی (66) کے لئے روانہ کیا اور بذات خود شاہی فرمان کے خلاف ایک بڑی فوج کے ساتھ آگرہ کی طرف کوچ کیا۔ اس طرح شہزادہ کے عمل سے واضح طور پر اس کی نافرمانی اور بغاوت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

اسی بیچ بادشاہ کو یہ اطلاع دی گئی کہ خرم نے نور جہاں اور شہریار کی جاگیر کے کچھ حصوں خصوصاً دھولپور پرگنہ (67) جسے دیوان اعلیٰ کے ذریعہ شہریار کو عطا کر دیا گیا تھا، اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔

اس سلسلے میں تاریخی حقائق کا تجزیہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بے شک خرم نے کچھ عرصہ قبل دھولپور کے پرگنہ کو اپنی جاگیر کے خیال سے عرضی دی تھی لیکن دربار میں اس کی عرضی پہنچنے کے قبل ہی شہریار کو اسے عطا کر دیا گیا تھا اور شہریار کے ایک امیر شریف الملک نے اس پر اپنا قبضہ بھی جما لیا تھا۔ لیکن خرم نے دربار سے اپنی عرضی کا جواب ملنے کے قبل ہی طاقت کے زور پر اسے اختیار میں کرنے کی کوشش کی جس سے دونوں شہزادوں کے اہل کاروں کے بیچ لڑائی ہوئی اور دونوں طرف کے بہت سارے لوگ مارے گئے۔ حقیقت میں خرم نے دھولپور کے پرگنہ پر زبردستی قبضہ کر کے شاہی اقتدار کو چیلنج کیا تھا۔ اس کا یہ عمل پوری طرح سے نافرمانی اور تشدد انگیزی پر مبنی تھا جسے کوئی بھی بادشاہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے جہانگیر نے خرم کو سرزنش کرنے کے لئے جو قدم اٹھایا وہ بالکل صحیح اور فطری تھا۔ جب جہانگیر سلطان خسرو کو اس کی باغیانہ روش کے لئے سزا دے سکتا تھا تو خرم کو بھی اس کی بغاوت کے لیے سزا دینے کا حق حاصل تھا۔ دوسری بات یہ کہ اگر جہانگیر نے جیسا کہ کامگار حسینی اور معتمد خان فرماتے ہیں کہ نور جہاں کے ترغیب پر یہ قدم اٹھایا گیا تو خرم کو مالوہ، دکن، گجرات اور خاندیش میں اپنے لیے جاگیر کے انتخاب (68) کا حق نہیں دیا ہوتا۔

اس طرح دھول پور حادثہ اور ردّعمل کے طور پر جہانگیر کے ذریعہ خرم کی سرزنش، نور جہاں کی ترغیب پر عمل میں آیا۔ صداقت پر مبنی نہیں ہے۔

اس طرح نور جہاں پر مؤرخین کا یہ الزام کہ اس نے منصوبہ بند طریقے سے جہانگیر کے قانونی جانشیں کے خلاف نہ صرف شہنشاہ کے ذہن کو زہر آلود کیا بلکہ شہریار کو جانشیں بنانے کا

منصوبہ بھی بنایا۔حقائق اور جانچ کی کسوٹی پر کھرا نہیں اترتا۔

شہر یار بے شک عروج کی طرف گامزن تھا۔اس کو نہ صرف آٹھ ہزار ذات۔چار ہزار سوار کا منصب (69) دیا گیا بلکہ نور جہاں کی لڑکی سے اس کی شادی بھی کردی گئی۔لیکن اس کے باوجود ظاہری طور پر کوئی ایسا مثال نہیں ملتا جس سے یہ ظاہر ہو کہ جہانگیر نے اسے اپنا جانشین بنانے کے بارے میں کبھی سونچا ہوگا۔اس کے برعکس خرم کا لڑکا شجاع جب بیمار اپڑا تو وہ کافی فکرمند ہوا اور بندوق سے شکار نہ کرنے کا عہد کیا اور اس کی صحت (70) کیلئے دعائیں کیں۔

علاوہ ازیں جب شاہجہاں نے گھوڑوں کی مانگ کی تو جہانگیر نے شاہی اصطبل سے ایک ہزار گھوڑے فوراً بھجوانے کا حکم (71) جاری کیا۔ڈاکٹر بی،پی سکسینہ نے صحیح لکھا ہے:

''یہ سونچنا غلط ہوگا کہ شاہجہاں اپنے دشمنوں کے عمل سے مجبور ہو کر بغاوت پر آمادہ ہوا۔اس کے برخلاف جہانگیر نے اس پر اب تک کسی طرح کا شک وشبہہ نہیں کیا اور نور جہاں نے ظاہری طور پر کچھ ایسا نہیں کیا جو خرم کے لئے شکایت کا موقع ہو۔یہ شاہجہاں ہی تھا جس نے تنازعہ کی شروعات کی (72)۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ بادشاہ بیگم کی حیثیت سے نور جہاں نے جہانگیر اور حکومت کے اوپر بہت ہی اثر رسوخ ڈالا۔اسے نہ صرف مختلف جاگیریں عطا ہوئیں بلکہ محصول بھی وصولنے کا اختیار حاصل تھا۔اس کے علاوہ اسے مختلف خطابات اور عطیات سے بھی سرفراز کیا گیا اور سب سے بڑھ کر سکّے پر اپنا نام کندہ کروانے کا خصوصی اختیار ملا۔اسے حکم،نشان،منشور،سند اور پروانہ بھی عطا کرنے کے خصوصی اختیار سے نوازا گیا۔

لیکن ان تمام غیر معمولی اختیارات واثر ورسوخ کے باوجود بادشاہ بیگم کی حیثیت سے اس نے نہ تو طاقت کا بیجا استعمال کیا اور نہ ہی جہانگیر کو مفقود الوجود کی حیثیت میں لا کھڑا کیا اور نہ ہی شہزادہ خرم کو جو قانونی طور پر جہانگیر کا جانشین تھا کو پس پردہ میں ڈال کر اپنے داماد شہر یار کو جانشین بنانے کی کوشش کی۔

حوالہ جات

1۔ ریکھا۔59

2۔ سرکار جلد سوئم 65۔640

3۔ نور جہاں کے قبل صالحہ بانو (دختر قاسم خان) کو بادشاہ بیگم کا خطاب حاصل تھا۔ توزک (آر۔بی) جلد دوئم 59، 84۔ اس ایچ ہودی والا کا مقالہ نیومیسمیٹک سپلمنٹ شمارہ 13(1929) صفحہ 61

4۔ بیل۔304

5۔ خافی خان (1)266

6۔ بنی پرشاد۔98

7۔ ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن جلد (چھ) 298

8۔ چوپڑا 129

9۔ خافی خان (1)268

10۔ توزک (آر۔بی) (2)342

11۔ ابوالفضل بلاک مین) (1)574

12۔ پیلزرٹ 4۔ ڈی لیٹ 41

13۔ برج رتن جہانگیر نامہ (ہندی) کاشی 314

14۔ بنی پرشاد (تفصیل کیلئے ضمیمہ دیکھیں)

15۔ ریکھا 66

16۔ ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن جلد (6)405

17۔ ریکھا۔76۔ نشان کے نمونہ کے لئے دیکھیں ضمیمہ

18۔ ریکھا 67

19۔ لفظ توران ان لوگوں کے لئے استعمال ہوتا تھا جو سنٹرل ایشیا سے تعلق رکھتے تھے اور ترکی زبان بولتے تھے۔ مغل تورانی تھے لیکن انہوں نے ایرانیوں کی زیادہ سرپرستی کی۔ اطہر علی، مغل امیر واسی (ہندی) دہلی 1977ء، صفحہ 32۔ محمد یاسین اور کھوسلہ دونوں اتفاق کرتے ہیں کہ غیر ملکی امراء و طبقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ تورانی اور ایرانی۔ وہ جو سمرقند کے شمال اور جنوب سے تعلق رکھتے تھے علاوہ ازیں سنی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور فرمانروا خاندان سے تعلق ہونے کی وجہ سے ان کو اپنا رشتہ دار سمجھتے تھے۔ دوسرا طبقہ ایرانیوں کا تھا۔ جو فارس سے تعلق رکھتے تھے اور ہندوستان ہجرت کر گئے تھے۔ کھوسلہ پیار کنگ شپ اینڈ نوبلیٹی دہلی 1976۔ 28۔ 227۔ یاسین محمد۔ اپنے ہسٹری آف اسلامک انڈیا لکھنؤ 1958 ص 4

20۔ برج رتن جہانگیر نامہ 117 اقبال نامہ 180

21۔ توزک (آر۔اینڈ بی) 266

22۔ ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن (چھ) 405

23۔ مآثر جہانگیری (مطبوعہ) عذرا علوی 349

24۔ پیلزرٹ 51-50

25۔ ٹیری 506

26۔ برنیر 5

27۔ قلمی۔ تاریخ خان جہاں (جلد دوئم) 531

28۔ بنی پرشاد 179

29۔ رو (جلد ا ترجمہ اور ری پرنٹ 1967

30۔ منڈی ٹریلوس (11) 206

31۔ ذخیراۃ (1) فولیو نمبر 54 (بی) اقبال نامہ 192

32۔ چندرا پنت 111

33۔ توزک آر اینڈ بی 14-213

34۔ بنی پرشاد171
35۔ پیلزرٹ50
36۔ توزک(آراینڈبی)(2)60۔
37۔ ایضا182۔
38۔ آرٹیکل آف نورالحسن دی تھیوری آف نور جہاں جنا77
39۔ توزک(آراینڈبی)(2)385
40۔ آرٹیکل آف نورالحسن دی تھیوری آف نور جہاں جنا77
41۔ مآثر(1)136(2)460
42۔ توزک(آراینڈبی)(1)86۔284
43۔ مآثر(1)163
44۔ جہانگیرنامہ(ہندی)382مآثر(1)136
45۔ ایضا،410
46۔ ایضا،126۔(2)323
47۔ ایضا۔
48۔ ترپاٹھی۔307
49۔ توزک(آراینڈبی)(1)200ابن حسن،دی سنٹرل اسٹرکچرآف دی مغل امپائر307۔
50۔ توزک(آراینڈبی)(1)59۔208
51۔ ابن حسن173
52۔ مآثر(2)697بابا میرے خاطر عزیز کوکا جو کہ خان اعظم ہے، کی غلطیوں کو معاف کر دو۔توزک(آراینڈبی)(1)26
53۔ ایضا(1)76۔573(2)603۔602
54۔ ایضا(2)729
55۔ مآثر350۔خانی(ج1)329شاہنواز خان(2)1078۔اقبال نامہ194

56۔ توزک (آر اینڈ بی) (2) 230

57۔ قزوینی (ایف) 103 (بی لاہوری) (1) 33-232 صالح (1) 68-167

58۔ توزک (آر اینڈ بی) (2) 230

59۔ ایضا 232

60۔ توزک (آر اینڈ بی) (2) 234

61۔ خط کے مضمون کے لئے ضمیمہ دیکھیں

62۔ بنی پرشاد 231

63۔ توزک (آر اینڈ بی) (2) 234

64۔ ایضا

65۔ توزک (آر اینڈ بی) (2) 287

66۔ اقبال نامہ 200

67۔ توزک (آر اینڈ بی) (1) 265

68۔ ایضا 239

69۔ توزک (آر اینڈ بی) 11، 187-99

70۔ ایضا 103

71۔ ایضا 209

72۔ سکینہ 36۔ ترا پاٹھی 394

☆☆☆

باب ششم

نور جہاں گروہ

حقیقت یا سر ٹامس رو کے تخیلات

> ''ہمعصر تاریخی دستاویزات کے تجزیہ سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ نور جہاں گروہ تاریخی حقیقت سے زیادہ تخیلات کی اڑان اور افسانہ تھا'' — نور الحسن

نور جہاں جہانگیر کے عہد کی سب سے نمایاں شخصیت تھی۔ اس نے نہ صرف جہانگیر بلکہ مغلیہ عہد کی سیاست پر نمایاں اثر و رسوخ قائم کیا۔

کچھ مصنفوں کا قول ہے کہ وہ امور سلطنت کے سارے اختیارات اپنے ہاتھوں میں مرکوز کرنا چاہتی تھی اور اسی سبب اس نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے اپنے رشتہ داروں کا گروہ (جتھا) قائم کیا۔

غیر ملکی سیاحوں نے خصوصی طور پر نور جہاں (1) کے ذریعہ قائم کردہ گروہ کا ذکر کیا ہے گرچہ ہمعصر فارسی ذرائع نے جہانگیر کے دربار میں اس طرح کے گروہ کے وجود کا ذکر نہیں کیا ہے البتہ انہوں نے ہمعصر سیاست پر نور جہاں کے اثر و رسوخ کا بے شک حوالہ دیا ہے۔

عصر جدید کے مؤرخین میں ڈاکٹر بینی پرشاد (2) صف اول پر ہیں جنھوں نے بڑی سختی سے نور جہاں گروہ کی وکالت کی ہے جس میں نور جہاں بیگم، اس کی والدہ عصمت بیگم، اس کے والد اعتماد الدولہ اور بھائی آصف خان شامل تھے۔

''گروہ'' کو مضبوط کرنے کے لئے 1613 میں جہانگیر کے دوسرے لڑکے خرم کو بھی آصف خاں (3) کی لڑکی ارجمند بیگم سے شادی کر کے شامل کرلیا گیا۔ اور یہ گروہ 1632 تک وجود میں رہا۔ یہ اس وقت ٹوٹا جب نور جہاں کو یہ احساس ہوا کہ شاہجہاں اگر تخت نشیں ہو جائے گا تو اس کو پس منظر میں ڈالدے گا۔ اس لئے اس نے ایسے نرم مزاج شہزادے شہریار کی اپنی لڑکی باہو بیگم سے شادی کر کے خرم کو پس منظر میں ڈالنے کا فیصلہ کیا۔

جیسا کہ ڈاکٹر بینی پرشاد کا کہنا ہے:

''اپنی طاقت واقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے شاہی ملازمت میں اپنے لواحقین کی بھرپور تقرری کی اور اس کی طرف داری ہی عزت اور عہدہ کی ضمانت تھی۔ اس سے فطری طور پر امراء میں حسد اور عناد کا اضافہ ہوا اور وہ سبھی لوگ جو خاص یا ممتاز تھے۔ اب یہ سمجھنے لگے کہ ان کو اختیارات سے سبکدوش کر گہری تاریکی میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں۔ عبدالرحیم خانخانہ نے گروہ کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا لیکن مغرور ذہن والے جیسے مہابت خان نے اپنی عقیدت پیش کرنے سے گریز کیا۔ نتیجے کے طور پر دربار دو حصوں میں بٹ گیا۔ گروہ کے طرف دار جماعت اور مخالف جماعت جس کا امیدوار تخت کے لئے خسرو (4) کو مقرر کیا گیا۔

ڈاکٹر بینی پرشاد نے نومبر 1620 تک گروہ کے کام کی تفصیلات مندرجہ ذیل عنوان سے پیش کی ہے۔

اعتماد الدولہ اور اس کے خاندان کے لوگوں کے منصب میں تیز رفتاری سے ترقی (5)۔ 1612 سے 1623 کے درمیان مہابت خان اور دیگر افراد کی ترقی میں رکاوٹ (6)۔ خان اعظم کو قید کرنا (7) خرم (8) کی غیر معمولی ترقی۔ پرویز کی قسمت میں گہن (9) اور خسرو کی

قسمت میں اتار چڑھاو۔(10)

مندرجہ بالا گروہ کے فلسفے اوراس کے کام پر محتاط اور بار یکی سے تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔اس لئے اگر اسے منظور کرلیا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ نور جہاں سے جہانگیر کی شادی کے فوراً بعد گروہ کا وجود قیام میں آگیا اور اپنے پوشیدہ اغراض کے حصول کے لئے گروہ نے سازش اور ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور دربار میں گروہ کے طرف دار اور مخالفین حمایت اور مخالفت میں تقسیم ہو گئے۔ اس کے علاوہ اس کے جانچ کے دوران یہ بھی ضروری ہے کہ دربار میں مختلف جماعت اور گروہ کے کردار کی نہ صرف جانچ کی جائے بلکہ امراء کے درمیان اندرونی خلفشار ،بادشاہ کے کردار اوراس عہد کے اہم واقعات کی بھی تفتیش کی جائے۔

گروہ کا فلسفہ پوری طرح سے یوروپی ذرائع خصوصاً سرٹامس رو(جو 1615 میں مغل دربار میں آیا اور 1618 تک رہا) کے ذہن کی پیدوار ہے۔ وہ نور جہاں گروہ یا جتھا جس میں نور جہاں،اعتمادالدولہ،آصف خان اور شاہجہاں کی شمولیت کا ذکر کرتا ہے۔

غیر ملکی سیاحوں کے خیالات کا باریکی سے جانچ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ 1616 کے اواخر سے یہ افواہ پھیل گئی کہ نور جہاں اور شاہجہاں میں دوری۔نور جہاں اور خسرو میں سمجھوتہ اوراس طرح کے افواہ 1617 میں اور 1619 میں عام تھے جو مندرجہ ذیل بیانات سے واضح ہوتے ہیں۔

1616۔آصف خاں اور خسرو کے درمیان سمجھوتہ(11) کی خبر

12.2.1616۔سلطان خسرو نور محل کی لڑکی سے شادی کریگا اوراس کی رہائی کے ساتھ سبھی جماعت اس کی حمایت(12) کریں گے۔

21.8.1616۔نور محل اور آصف خاں اپنے باپ کے مشورے سے خسرو کے ساتھ صلح قائم کریں گے اور بے انتہا خوشی کے ماحول میں اس کی رہائی پُر امید ہے(13)۔

25.8.1616-خسرو اور نور جہاں کی ضیافت اور ایک سمجھوتہ کی امید،جس کے بنا پر خسرو کی پوری آزادی اور خرم کی بربادی(14)۔

اس طرح کے بیان ڈیلاویل نے بھی دیا ہے،جس کے مطابق نور محل نے بار بار اپنی

لڑکی کی شادی کا آفر خسرو کو دیا۔ لیکن اس کی ازدواجی ایمانداری نے ہمیشہ اس کے مشورہ کو رد کر دیا۔ ناامید ہو کر نور محل نے اپنی لڑکی کی شادی شہریار (15) سے کر دی۔

17.9.1619 - یہ افواہ کہ شہنشاہ نے خرم (16) کو ناخوش کر دیا ہے۔

30.9.1619 - خرم کی بے عزتی اور خسرو کی رہائی کی افواہ، خسرو کا عروج اور دوسرے لوگوں کے زوال (17) کے ساتھ ساری امیدوں پر پانی پھیرنا۔

ٹامس رو اور دیگر غیر ملکی سیاحوں کے بیانات کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ ان کے بیانات زیادہ تر افواہ اور گپ شپ پر مبنی ہیں جو کہ اس وقت خرم، خسرو اور نور جہاں کے متعلق پھیلے ہوئے تھے۔ متضاد بیانات ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں ہیں۔ یورپی ذرائع نور جہاں کے اہم سیاسی رسوخ، خسرو کی شہرت اور شاہجہاں کی اس سے عداوت کا ذکر کرتے ہیں لیکن نور جہاں اور شاہجہاں کے درمیان کسی طرح کی گروہ بندی کی طرف اشارہ کرنے میں ناکام ہیں۔

جب ہم نور جہاں گروہ کے متعلق فارسی ذرائع کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمعصر مؤرخ معتمد خاں نے شدید الفاظ میں ہمعصر سیاست پر نور جہاں کے اثر و رسوخ اور شاہجہاں سے اس کی عدوات کا ذکر کر کیا ہے لیکن وہ کسی نور جہاں گروہ کا ذکر نہیں کرتا ہے۔ اس کے دوسری طرف وہ یہ ثابت کرنے پر مصر ہے کہ نور جہاں اپنے مفاد کے سبب شاہجہاں سے عداوت رکھتی تھی۔ لیکن چونکہ معتمد خاں نے اپنی تصنیف شاہجہاں کے دور عہد میں مکمل کی اس لیے اس کے خیالات کو بالکل صحیح اور بغض سے بری نہیں مانا جا سکتا ہے۔

کامگار حسینی (18) جس نے ماٗثر جہانگیری 1630 میں مکمل کی، صحیح معنوں میں معتمد خان کے عبارت کو اپنایا اور گروہ کے متعلق کوئی ٹھوس اشارہ نہیں کیا ہے۔

منتخب اللباب کا مصنف خافی خان (19) جس کے تصنیف کی تکمیل عالمگیر کے عہد میں ہوئی وہ بھی ہمعصر سیاست پر نور جہاں کے اثر و رسوخ کا ذکر کرتا ہے لیکن کسی گروہ کے تشکیل کی طرف اشارہ نہیں کرتا ہے۔

ولی سرہندی (20) کی تاریخ جہانگیر شاہی میں جہانگیر، اعتماد الدولہ، آصف خان۔

شہزادوں اور دیگر امرا کی ستائش کی گئی ہے لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں نور جہاں گروہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس طرح کا ی شیرازی نے فتح نامہ نور جہاں بیگم میں مہابت خان کی بغاوت اور نور جہاں کی اس پر فتح کا ذکر کیا ہے لیکن نور جہاں اور شاجہاں کے درمیان کسی گروہ کی تشکیل کا ذکر نہیں ہے

ولی سرہندی کی انتخاب جہانگیر شاہی (21) ایلیٹ اور ڈاؤسن کے مطابق ہمعصر تصنیفات کے جزو ہیں اور جس میں مختلف واقعات کو بڑے ہی دلچسپ انداز میں مندرجہ ذیل طریقے سے بیان کیا ہے:

> ''خان عالم اور خان جہاں کی موجودگی میں مہابت خان نے نور جہاں کے بڑھتے ہوئے رسوخ کے خلاف جہانگیر سے شکایت کی۔ اس نے خسرو کی رہائی کی بھی وکالت کی اور اسے شہنشاہ کے مخصوص اور قابل اعتماد ملازم کو سونپنے کی گزارش کی اس نے یہ بھی کہا کہ شہنشاہ کی سلامتی اور مملکت میں امن وشانتی خسرو کی زندگی پر منحصر ہے۔ جہانگیر نے دوسرے دن خسرو کو خان جہاں کو سونپ دیا اور اسے دربار میں کورنش پیش کرنے کی اجازت دی۔ اسے ایک گھوڑا سواری کے لیے دیا گیا۔ مہابت خان کی گذارش پر جہانگیر نے کچھ دنوں کے لیے نور جہاں سے سردمہری کا رویہ اختیار کیا۔ جب مہابت خان نے پالکی میں جہانگیر کو چھوڑا تو جہانگیر کشمیر پہنچنے پر دوبارہ نور جہاں (22) کے اختیار میں آ گیا۔''

ولی سرہندی کے بیانات کا تنقیدی تجزیہ کرنے کے بعد یہ نہایت ہی ناممکن سا لگتا ہے کہ کوئی امیر یا سردار جہانگیر جیسے طاقت ور شہنشاہ سے اس کی بیگم (23) کی شکایت کرے۔

اس کے علاوہ ولی سرہندی کے بیان کی دوسرے ہمعصر ذرائع سے تصدیق بھی نہیں ہوتی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ توزک جہانگیری (24) کے مطابق مہابت خان 1620 میں تین ہفتے تک جہانگیر کے ساتھ رہا۔ دوسری بات یہ ہے کہ خسرو پر پہلے سے ہی پابندیاں ختم کر دی گئی

تھیں۔ جہانگیر نے خود تو زک میں اس کی رہائی کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان ذرائع میں کوئی ایسا ثبوت نہیں ملتا جس سے یہ معلوم ہو کہ 1620 میں نور جہاں شاہ جہاں کی خاطر خسرو کو قید میں رکھنے کے لیے اپنے رسوخ کا استعمال کر رہی تھی۔ اس طرح دکن کی طرف خسرو کو لے جانے کا اصرار اور باہو بیگم سے شہریار کی شادی نور جہاں اور شاہ جہاں کے درمیان آپسی شک وشبہ کو ظاہر کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ جہاں کے ذریعہ خسرو کو اپنے ساتھ رکھنا شہریار کے ساتھ باہو بیگم (25) کی شادی کا ردِ عمل تھا۔

اس طرح گروہ کے فلسفہ کا وجود اس کے متضاد کردار اور دوہرے معیار کی وجہ سے صحیح معلوم نہیں پڑتا۔

ڈاکٹر بینی پرشاد کا قول (26) ہے کہ چونکہ اعتمادالدولہ بادشاہ کے خسر ہو گئے اور اس لیے ان کی ترقی غیر معمولی تھی کیونکہ وہ نور جہاں کی طاقت اور اقتدار کے سب سے مضبوط ستون تھے۔

ڈاکٹر بینی پرشاد کے اس نظریے کا دربار کے دوسرے امرا کے ساتھ تقابلی وتنقیدی تجزیہ کی ضرورت ہے۔

یہ ماننا غلط ہوگا کہ اعتمادالدولہ نے مملکت میں اپنی ترقی اعزاز اور اہم مقام صرف اپنی لڑکی نور جہاں کی شہنشاہ پر غیر ضروری اثر ورسوخ (27) کی وجہ سے حاصل کیا۔ حقیقت میں اس نے اپنی ترقی اپنی ذاتی صلاحیت اور ادبی قابلیت کی وجہ سے حاصل کی۔

اس کے علاوہ مرکزی حکومت میں اُس کی مستقل ترقی اور اعزاز کی ایک وجہ مناسب رقیب کی کمی تھی۔ امیر الدولہ شریف خان اور آصف خاں جعفر بیگ کے بعد وہ وزارت میں سب سے ممتاز تھے۔ اس کے تقابل میں آنے والے دو امرا تھے۔ ایک تھے عبدالرحیم خانِ خاناں جو شہنشاہ کے پرانے اتالیق بھی تھے۔ کچھ دنوں تک اس نے وکیل کا عہدہ سنبھال رکھا تھا۔ اس کے عہدہ، مقام اور مرتبہ کی وجہ سے اس کا دعویٰ مضبوط تھا۔ دوسرا افرد خان جہاں لودی تھا جو جہانگیر کا خاص الخاص تھا اور سنہ جلوس کے اوائل کے تین سالوں میں اس نے شہنشاہ پر اپنا اچھا خاصا رسوخ قائم کیا تھا۔ جہانگیر اسے اپنے سرکاری خط وکتابت میں ''فرزند'' کے نام سے پکارتے تھے۔

لیکن دونوں نے دکن کے مہم میں اپنے وقار کو مجروح کر دیا۔ خانِ خاناں پہلے تھے جس

کواس مہم میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔اس کے خلاف شکایتیں آئیں اور اسے واپس بلالیا گیا۔خان جہاں لودی نے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور اپنی خدمات پیش کیں۔لیکن اپنے فرض میں وہ بھی ناکام ثابت ہوئے۔اس طرح دونوں دربار سے کافی دورر ہے۔اوراعزاز اور وقار کے ساتھ دربار میں واپسی کا موقع گنوادیا۔اس طرح نئے دیوان کا کوئی رقیب نہیں تھا۔میدان پوری طرح سے صاف اور ہموار تھا اور اس طرح اعتمادالدولہ کا عروج فطری تھا۔

علاوہ ازیں اعتمادالدولہ کی ذاتی قابلیت سے اس کے عروج میں کافی مدد ملی۔لیکن اس حقیقت سے بھی انکارنہیں کیا جاسکتا ہے کہ نور جہاں کی شادی نے راہ کومزید ہموار کردیا۔جہاں رقیبوں کی کمی نے اس کی پوزیشن کومضبوط کیا تو دوسری طرف اس کی حکمت عملی اور پرسکون مزاج (28) نے مملکت میں اس کے مقام کومحفوظ کرنے میں نمایاں رول ادا کیا۔

جہانگیر خود اس کی لائق مندی اور وفاداری کے متعلق رقم طراز ہے:

''اعتمادالدولہ کی پرانی خدمات اور بدرجہ اتم وفاداری اور لیاقت کی وجہ سے میں نے اس کو(29) وزیر کے اعلیٰ عہدے پر سرفراز کیا۔''

اس کے علاوہ جب دوسرے خاندان کے افراد کی ترقی اور منصب کے عطیات کا موازنہ کیا جاتا ہے تو کسی بھی طرح طرف داری دکھائی نہیں پڑتی۔اس کے اس عہد کا جائزہ لینے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ امراء کی بڑی تعداد نے ترقی پائی۔مندرجہ بالا امرا کے علاوہ مندرجہ ذیل دیگر امرا بھی مملکت میں ترقی سے سرفراز ہوئے۔

خواجہ جہاں 1614۔1000۔3000۔1615۔2200۔3500 ،خان عالم۔1620 میں 3000، 5000 اس کے علاوہ آگرہ کے صوبہ دار بنائے گئے۔ایران کی سفارت سے واپسی پر 1620 میں اضافی منصب 2000۔5000 سے سرفراز ہوئے اور میر بخشی کے عہدے پر مقرر ہوئے۔قلیچ خاں نے 1611 میں 5000۔6000 کا منصب پایا اور کابل کے صوبہ دار بنائے گئے۔ان کے صاحب زادے چین قلیچ خان کو گجرات کا صوبہ دار بنایا گیا۔مرتضیٰ خان کو 1612 میں نہ صرف 5000۔6000 کا منصب دار بنایا گیا بلکہ بنگال، آگرہ اور ملتان کا بھی صوبہ دار بنایا گیا۔مرزا رستم صفوی کا منصب 1619 میں 5000۔5000

کر دیا گیا بہادر خاں کے منصب کو 1620 میں 4000-5000 کر دیا گیا۔

اس طرح دیانت خاں پر بھی شہنشاہ کی خاص مہربانیاں رہیں۔ بیر سنگھ بند یلا، سورج سنگھ، خان دوران، مقرب خاں، سیف خان، امانت خاں، صادق خان، رضوی خاں، کشود داس اور رام داس کچھواہا(30) وغیر(31) بھی مختلف اعزاز سے نوازے گئے۔

مندرجہ بالا امرا کے کیریر سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ عہدہ اور منصب میں ترقی بالکل منصفانہ تھی اور دروازہ سبھی کیلئے کھلا تھا۔ کسی طرح کا کوئی غیر جانبدارانہ رویہ نہیں تھا۔ مذکورہ امرا میں بہت سے ایسے تھے جن لوگوں کا گروہ سے کوئی تعلق نہیں تھا یا پھر گروہ سے ان کی عداوت تھی ایسے لوگوں میں خان جہاں لودی۔ مرتضیٰ خاں، انی رائے سنگھ دالا ن، خان اعظم اور خواجہ ابوالحسن کا نام قابل ذکر ہے۔

علاوہ ازیں اگر اکبر کے دور کے حقائق کا جائزہ لیا جائے تو ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اکبر نے اپنے دور میں مخصوص خاندان کے امرا(32) کو اعلیٰ منصب عطا کرنے کا رواج شروع کر دیا تھا۔ جہانگیر نے اس رواج کو جو اس کے والد نے قائم کیا تھا جاری رکھا اور اعتمادالدولہ کے خاندان کے ساتھ ساتھ دیگر امرا کو بھی اعلیٰ منصب سے سرفراز کیا۔

اگر مؤرخین کے اس الزام کو قبول بھی کر لیتے ہیں تو یہ کوئی غیر فطری بات نہیں تھی۔ اکبر کے دور عہد سے بیگم کے خاندان کے افراد کو اعلیٰ منصب دینا عام بات تھی۔ جب اکبر نے 1556 میں راجہ بھارمل کی لڑکی سے شادی کی تو اس نے راجہ کو پانچ ہزار منصب دار کے علاوہ پانچ ہزار سوار کے اعزاز سے بھی نوازا۔ اس کے لڑکے اور پوتے کو بھی اعلیٰ منصب دیے گئے تو اعتمادالدولہ کے خاندان کے معاملے میں کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ اس کے برخلاف شاہ جہاں کے عہد میں بھی اعتمادالدولہ کے خاندان کے لوگوں کی شاندار ترقی اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ ان میں نہ تو صلاحیت کی کمی تھی اور نہ ہی تجربے کی۔ منصب اور اعزاز میں ترقی کے لیے لوگ پوری طرح سے لائق اور اہل تھے۔

اس طرح یہ ماننا غلط ہوگا کہ اس عہد میں دربار دو گروہ میں تقسیم تھا۔ ایک نور جہاں گروہ کا حمایتی اور دوسرا گروہ کا مخالف۔ اور جیسا کہ ڈاکٹر بنی پرشاد نے وکالت کی ہے کہ گروہ کی حمایت

ہی ترقی کی ضمانت تھی۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ 1612 سے 1622 کے درمیان مہابت خان کی ترقی میں رکاوٹ نور جہاں گروہ کے شہنشاہ جہانگیر پر اثر ورسوخ کا نتیجہ تھا۔

لیکن تاریخی حقائق کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ مہابت خاں کا ذاتی منصب 1612 میں چار ہزار ذات اور تین ہزار سوار سے آگے نہیں بڑھا۔ لیکن یہ اندازہ کرنا غلط ہوگا کہ اس دوران اسے پس منظر میں ڈال دیا گیا۔ 1614 میں اسے اضافی جاگیر عطا کی گئی جس کی قیمت تقریباً دو سے تین کروڑ (33) کے بیچ تھی۔ 1615 میں اسے دواسپہ سہ اسپ کے اعزاز سے نوازا گیا۔ اسے خان اعظم (34) کو میواڑ کی مہم سے واپس لانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ 1615 (35) میں شہنشاہ نے اسے کئی عنایات سے سرفراز کیا۔ اسے دکن کے مہم کو سرانجام کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی اور دکنیوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد اسے شہنشاہ سے ذاتی ملاقات کے شرف سے نوازا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ انعام واکرام (36) بھی دیے گئے۔ 1617 میں اسے کابل اور بنگش کی صوبہ داری کے ساتھ ساتھ اعزازی خلعت سے بھی نوازا گیا اور کابل کے بغاوت کو فرو کرنے کی ذمہ داری (37) سونپی گئی۔ اس کے لڑکے امان اللہ خان کا منصب 1615 میں 400 / 2000 کر دیا گیا۔ (38) 1620 میں 800 / 1500، 1620 (39) میں 1500 / 2000 کر دیا گیا (40) ۔1620 میں مہابت کی سفارش پر انی رائے سنگھ دالان کو بنگش (41) کی مہم کے لیے مقرر کیا گیا۔

اس طرح کوئی ایسے شواہد نہیں ہیں جو اس بات کی تائید کرے کہ اس دور میں مہابت خان کے خاندان کے اوپر نور جہان گروہ کے اثر کی وجہ سے سورج گہن لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمعصر ذرائع خاص طور سے توزک جہانگیری کے مطالعہ سے یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ عہد جہانگیری میں بھی مہابت خان مملکت مغلیہ کے اہم ستونوں میں سے ایک تھا۔ اس کی ذاتی درخواست پر شہنشاہ نے اسے مختلف ذمہ داریاں سونپی اور اس کی سفارش پر دیگر امرا کو نہ صرف سرفراز کیا گیا بلکہ اہم ذمہ داریاں بھی دی گئیں۔

علاوہ ازیں اگر انتخاب جہانگیر شاہی پر یقین بھی کرلیا جائے تو بھی مہابت خاں کسی

شاہی عنایات کے دائرے سے باہر نہیں تھا۔ اس طرح خان اعظم کے قید کا واقعہ ایک الگ تصریح رکھتا ہے اور یہ گروہ کے اثر کا نتیجہ نہیں تھا۔ اس کے لیے اکبر کے عہد سے خان اعظم کے کردار و اطوار کا جائزہ لیتے ہیں تو بلا تامل یقین کرنا پڑتا ہے کہ وہ جہانگیر کے بجائے سلطان خسرو کو تخت پر بٹھانے کا سب سے بڑا خواہاں تھا۔ اگر اس نے خسرو کی خاطر خرم سے رنجش مول لی تو کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں تھی۔ یہ خان اعظم ہی تھا جس نے اکبر کی شدید علالت کے دوران سلیم کو نظر انداز کر کے خسرو کو گدی پر بٹھانا چاہتا تھا۔

اس طرح ڈاکٹر بنی پرشاد کا یہ الزام کہ خان اعظم کی قید اور اس کی بے عزتی نور جہاں گروہ کے وجہ سے ہوئی۔ صحیح ثابت نہیں ہوتی ہے۔

ڈاکٹر بنی پرشاد ایک بار پھر اپنی عداوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خرم کی غیر معمولی ترقی، پرویز کا گہن اور خسرو کے قسمت کے مختلف (42) ادوار سبھی نور جہاں گروہ (43) سے متاثر اور ترغیب یافتہ تھے۔

خسرو کے کردار اور اطوار کا جائزہ لینے کے بعد ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ شروع سے اس کے باغیانہ مزاج اور حرکات وسکنات کی وجہ سے جہانگیر کا رویہ نور جہاں سے شادی کے قبل ہی سخت ہو گیا تھا۔

جہاں تک پرویز کی بات ہے تو اس میں صلاحیت کا فقدان تھا اور وہ شراب خوری اور عیاشی کا شکار تھا۔ دونوں مہموں میں اس کی ناکامی کی وجہ سے نہ تو وہ ایک ماہر کمانڈار اور نہ ہی کامیاب ناظم کی حیثیت سے نام حاصل کر سکا۔ نتیجے کے طور پر اسے واپس بلا لیا گیا اور خان اعظم کی پُر زور گذارش پر جہانگیر نے خرم کو مہم (44) کے لئے تعینات کیا۔ خرم کی تعیناتی نے دکن پر فتح دلائی اور ایک عرصے سے جس دکن کو فوجی طاقت کے ذریعہ حاصل کرنے میں ناکامی ہوئی تھی اسے خرم کی سیاست اور حکمت عملی نے بہت ہی کم عرصے میں فتح سے سرفراز کیا اور ان سب کا سہرا خرم کو جاتا ہے۔ میواڑ کی فتح نے اسے ایک لائق جنرل کی شکل میں پیش کیا تو دکن کی مہم نے اس کے نام کو ایک کامیاب سیاست داں کی حیثیت سے روشن کیا۔ خرم کی کامیابی کے بعد دربار میں واپسی پر اسے شاندار اعزاز، اس کے منصب میں 30 ہزار ذات اور 20 ہزار سوار کا غیر معمولی

اضافہ (45) اور بے نظیر خطاب ''شاہ جہاں'' سے نوازا جانا — اس بات کا پختہ ثبوت ہے کہ وہ شہنشاہ کا سب سے پسندیدہ شہزادہ بن گیا تھا۔

علاوہ ازیں یہ ماننا بالکل غلط ہوگا کہ دوسرے شہزادے شہنشاہ کے نظر عنایات سے ہمیشہ کے لیے دور تھے۔ 1619 کے اوائل میں پرویز کا منصب 20 ہزار ذات (46) اور دس ہزار سوار تھا اور خسرو کو اس کی باغیانہ حرکت کی وجہ سے جہانگیر نے قید کر رکھا تھا۔ خسرو کی رہائی کے متعلق وہ رقم طراز ہے:

> ''چونکہ خسرو کی قید کی مدت کافی لمبی تھی۔ مجھے ایسا لگتا ہے اسے زیادہ دنوں تک قید میں رکھنا اور ہمارے سامنے حاضری کی خوش نصیبی سے محروم کرنا ہماری عنایت و مہربانی میں کمی ہوگی۔ اس لیے میں نے اسے حاضر ہونے اور سلام پیش کرنے کی خوش نصیبی سے نوازا۔ ایک بار اس کے جارحیت کے داغ معافی کے پاک پانی سے دھل گئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ مجھے خوش کرنے اور خدمت کرنے کا اعزاز اس کی خوش قسمتی (47) کا باعث ہوگا۔''

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ عظیم مؤرخ پروفیسر نورالحسن کہتے ہیں کہ خسرو کی رہائی شاہجہاں (48) کو پسند نہیں تھی اس لیے جب دوسری بار اسے دکن جانے کے لیے کہا گیا تو اس نے خسرو کو ساتھ لے جانے کی ضد کی۔ اس کا اصرار اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ خسرو کی بغاوت اور اس کے آدمیوں کے ذریعہ جہانگیر کو قتل کرنے کی سازش۔ خسرو پر جہانگیر کی نوازش اور خاص طور سے جہانگیر کی گرتی ہوئی صحت نے اس کو نہ صرف خوفزدہ کر دیا تھا بلکہ محتاط بھی کر دیا تھا کہ دربار کا گروہ خسرو کو نہ صرف گدی پر بیٹھا سکتا ہے بلکہ جہانگیر کے ساتھ بھی کوئی ناپسندیدہ واقعہ ہوسکتا ہے۔

بہر حال شاہجہاں کی ماضی کی شاندار کامیابی نے دربار میں جہانگیر کو شاہجہاں کا انتخاب کرنے کے لئے نہ صرف مجبور ہونا پڑا بلکہ وہ خسرو کو بھی شاہجہاں کے ساتھ لے جانے کی درخواست کو رد نہیں کر سکا۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جہانگیر نے خسرو کو ساتھ لے جانے کی اس کی عرضی کو پسند نہیں کیا ہوگا اور شاید اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ شہریار سے باہو بیگم یعنی لاڈلی بیگم کی شادی کر دی جائے جس سے شاہجہاں (49) کے غیر ضروری اولوالعزمی پر روک

لگایا جاسکے۔

لیکن یہاں پر قابل تحریر بات یہ ہے کہ اگر ایک طرف شہریار اور پرویز کے پوزیشن کو مستحکم کیا گیا تو دوسری طرف شاہجہاں کے خلاف کوئی غیر مناسب قدم بھی نہیں اٹھایا گیا بلکہ شاہجہاں کی خواہش پر خسرو کو اس کے ساتھ کر دیا گیا اور جب وہ دکن کے لیے روانہ ہوا تو منصب داروں اور احدیوں پر مشتمل ایک بڑی فوج اس کے ہمراہ روانہ کی گئی اور اسے نہ صرف جہانگیر بلکہ ملکہ نور جہاں نے بھی اعزاز واکرام سے سرفراز کیا اور جہانگیر نے فتح کے بعد (50)ا سے شاندار انعام واکرام سے نوازنے کا وعدہ بھی کیا۔

شاہ جہاں نے شاہی فرمان کی تعمیل سے انکار کیا اور اس کے مفاد جہانگیر و مملکت کے مفاد سے مختلف تھے۔ ایسے حالات میں نور جہاں کا مفاد جہانگیر سے وابستہ تھا اور اسے اس حقیقت کو محسوس کرنا لازمی تھا کہ اس کا وجود اور مفاد پوری طرح سے اس کی شوہر کی زندگی و بقا پر منحصر تھا۔

اس طرح نور جہاں کے مفاد اور جہانگیر کے مفاد میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ پھر بھی 1620 میں جو فیصلے لیے گئے خواہ اس پر نور جہاں کا اثر ہو یا نہیں جہانگیر کے فیصلے تھے اور اس سلسلے میں نور جہاں کے کوئی پوشیدہ اغراض دکھائی نہیں پڑتے ہیں جس سے یہ پتہ چلے کہ جہانگیر کے مفاد کے خلاف اس نے اپنے مفاد کی خاطر شاہجہاں سے پوشیدہ طور پر کوئی سمجھوتہ کرلیا ہو۔

اس طرح شاہجہاں کی پوزیشن نور جہاں گروہ کی وجہ سے مضبوط نہیں ہوئی بلکہ خود اس کے شاندار کیریئر کے ساتھ ساتھ شاہی حکمت عملی کا نتیجہ تھی۔ اور پرویز کے کیریئر پر گہن نور جہاں گروہ کے بغض وعناد کی وجہ سے عمل میں نہیں آیا۔ بلکہ ایک اڈمنسٹریٹر اور جنرل دونوں حیثیت سے اس کی ناکامی نے اس کی شخصیت کو پس منظر میں ڈال دیا۔ اسی طرح خسرو کے خلاف اس کے باغیانہ حرکات وسکنات کی وجہ سے قدم اٹھایا گیا اور شہریار کو صرف شاہجہاں کے غیر ضروری اولوالعزمی پر روک لگانے کے لیے پشت پناہی کی گئی۔

بقول ڈاکٹر بینی پرشاد نور جہاں گروہ نور جہاں کی لڑکی کی شہریار کے ساتھ شادی اور شہریار کی تخت نشینی کی حمایت کرنے کے ساتھ ٹوٹ گیا۔

اس پورے مسئلے کو مندرجہ ذیل نکتے کی روشنی میں تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے——

—(1) جب شاہجہاں نے جونور جہاں کا سب سے بڑا مخالف تھا، بغیر کسی شرط کے اپنے باپ جہانگیر سے سمجھوتہ کرلیا اور 1626 میں روہتاس اور اسیر گڑھ کے قلع کو سونپ دیا تھا اور دارا شکوہ اور اورنگ زیب شہنشاہ کے آدمیوں کے ہاتھوں میں اسیر کی طرح رہ رہے تھے۔

—(2) جب مہابت خاں کو نور جہاں کے ہاتھوں شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اور جہانگیر کو مہابت خان کی قید سے آزاد کرالیا گیا تھا۔

—(3) جب پرویز کی 28 اکتوبر 1626 کو موت ہوگئی تھی۔

—(4) جب جہانگیر کی صحت بڑی تیزی سے گر رہی تھی۔

—(5) جب آصف خان جو شاہجہاں کی تخت نشینی کا سب سے بڑا آرزو مند تھا اور اپنے بیٹے ابو طالب کے ساتھ اٹک کے قلعہ میں مہابت خاں کی قید میں تھا۔

—(6) اور جب نور جہاں نے اپنے عقل و فراست، حکمتِ عملی اور جذبہ ایثار کا بے نظیر مظاہرہ کرتے ہوئے جہانگیر کو مہابت خان کی قید سے آزاد کرانے میں نمایاں کردار نبھایا تھا اور جہانگیر پر فطری طور پر نور جہاں کا بے انتہا اثر و رسوخ تھا۔

''تب نور جہاں نے شہریار کو وارث بنانے کے لیے جہانگیر پر کیوں اثر نہیں ڈالا؟''

اگر اس نے شہریار کو تخت کا وارث بنانے کا منصوبہ بنالیا تھا تو بے شک یہ اس کے لیے سنہرا موقع تھا کہ وہ جہانگیر پر اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کرتے ہوئے اپنی زندگی میں شہریار کو جہانگیر کا جانشیں بنانے کا اعلان کروا دیتی۔

اس طرح یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اپنی لڑکی کو شہریار سے شادی کے باوجود اس نے شاہجہاں کو راستے سے ہٹانے کے لیے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا۔ یہ شاہجہاں ہی تھا جس نے شاہی فرمان کی تعمیل کرنے سے انکار کر نہ صرف مغلوں کی سرحدی پالیسی کو تار تار کیا بلکہ جہانگیر کو ناراض کرنے کے مختلف مواقع فراہم کیے۔

نور جہاں گروہ کے ٹوٹنے کے دیگر اسباب کے سلسلے میں ڈاکٹر بنی پرشاد نے مذہبی اسباب کا بھی اظہار کیا ہے۔ لیکن حقائق کا تجزیہ کرنے سے یہ الزام صحیح (51) ثابت نہیں ہوتا ہے۔ جہانگیر ایک رحمدل انسان تھا اور سبھی کے لیے وہ ہمدردی اور فراخدلی کا جذبہ رکھتا تھا۔

لیکن اسے ظلم سے نفرت تھی تو عدل وانصاف سے بے انتہا محبت تھی۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اکثر تلون مزاج ہوجایا کرتا تھا اور اس کی شخصیت کی سب سے بڑی کمزوری تھی کہ جو اسے پیار کرتا تھا اور اس کا اعتماد حاصل کر لیتا تھا تو وہ اس کے اثر ورسوخ میں آجاتا تھا۔

اس کی شخصیت کی اس کمزوری نے نورجہاں گروہ کے متعلق کئی نظریات کو ہوادی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس معاملے میں امرا کے متضاد کردار کو بھی زیر مطالعہ لانا ہوگا۔

جہانگیر کے عہد نے مملکت میں لائق امرا (52) کے فقدان کو شدت سے محسوس کیا۔ امرا کو اپنے اور اپنے رفیقوں کے لیے زیادہ سے زیادہ منصب حاصل کرنے کی تشنگی اور جہانگیر کے ذریعہ حاصل کی گئی منصب کی فراخدلی نے پریشان کن حالات پیدا کردیا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ سبھی کو ان کی خواہش کے مطابق منصب عطا کی جائے اور جاگیرداروں کے درمیان دوری برقرار رکھا جائے۔ ایسے حالات نے امرا کے درمیان نہ صرف تنازعہ پیدا کیا بلکہ گروہ بندی میں بھی اضافہ کیا۔ علاوہ ازیں خسرو اور شاہجہاں کے بغاوت کے دوران اور یہاں تک کہ جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت امرا کی گروہ بندی نے اس حقیقت کو پوری طرح واضح کردیا کہ امرا نے اپنے ذاتی مقاصد کے خاطر شہزادوں یا دربار کے پُراثر امرا کے ساتھ رابطہ قائم کر لیا اور انجام کے طور پر مختلف گروہ کی پیدائش ہوئی۔ ان باتوں کے باوجود محمد صالح کنبوہ کے بقول سیاسی معاملے میں بیگم کی رائے (53) کو نظر انداز کرنا جہانگیر کے ذاتی فیصلے کی مثال موجود ہے۔

اس طرح شہنشاہ کے کردار اور گروہ بندی کی خصلت کا تجزیہ کرنے سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ دربار میں مختلف قسم کی گروہ بندی تھی اور یہاں تک کہ جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت سے ہی امرا کے درمیان نظریاتی تنازعہ گروہ بندی ورسہ کشی موجود تھی۔

اختتام (Conclusion)

اس طرح جنتا تھیوری (نورجہاں گروہ) کے فلسفہ کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

ہمعصر ذرائع کا محتاط، غیر جانب دار، منصفانہ اور باریکی سے مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بے شک نورجہاں کا ہمعصر سیاست پر شدید اثر تھا لیکن اس کے باوجود کسی

ہمعصر ذرائع میں نور جہاں گروہ کے وجود کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نور جہاں نے جہانگیر پر جو بھی اثر رسوخ ڈالا وہ پوری طرح ذاتی تھا اور جہانگیر (54) کے لیے اس کی والہانہ عقیدت، جانثاری اور محبت پر مبنی تھا۔ ہمعصر سیاست میں اس کی مداخلت یا حصہ داری کی واحد مثال مہابت خاں کے ذریعہ اس کے شوہر جہانگیر کی قید اور پھر نور جہاں کا اپنے شوہر کو اس کی قید سے رہائی کے لیے کامیاب سیاسی اور فوجی کارروائی کے دوران ہی دکھائی پڑتا ہے۔ لیکن یہ تو اس کے بقا کا سوال تھا اور اپنے شوہر کے لیے جس سے اس کا وجود وابستہ تھا حرکت میں آنا لازمی اور فطری تھا۔

آخر میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ شاہجہاں کی تخت نشینی کے بعد اس نے جس طرح سیاسی پس منظر سے اپنے کو علاحدہ کر لیا اور کسی بھی طرح کے تقریب میں شرکت سے پرہیز کیا اور پوری طرح سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اس کا مفاد جہانگیر سے اور صرف جہانگیر سے وابستہ تھا۔ یہ بھی تصور کیا جاسکتا ہے کہ شاہجہاں کی تخت نشینی کے بعد اس کے سارے اختیارات اور رسوخ ختم ہو گئے اور وہ اس قابل نہیں تھی کہ سیاسی معاملے میں دخل اندازی کر سکے لیکن اس کے باوجود اس کی صلاحیت اور سیاسی معاملات میں اس کی گہری جانکاری اور مختلف امرا کے ساتھ اس کے اچھے تعلقات۔ سیاسی ریشہ دوانیاں اور سازشی ماحول تیار کرنے کے لیے کافی تھے۔ لیکن جہانگیر کی موت کے بعد اس کی پوری طرح سے کنارہ کشی اس بات کا پختہ ثبوت ہے کہ اس کے سارے مفاد اور اغراض صرف جہانگیر تک ہی محدود تھے۔

اس طرح ہمعصر مؤرخین اور غیر ملکی سیاحوں کے الزامات کہ اس نے اپنے سیاسی اغراض اور اقتدار کی خاطر اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ مل کر نور جہاں گروہ قائم کیا اور گروہ کے ممبران کو اونچے عہدے پر فائز کیا۔ حقیقت میں تخیلات کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ڈاکٹر آر۔ پی۔ ترپاٹھی نے صحیح فرمایا ہے۔

گروہ کے متعلق حمایت میں جو دلائل پیش کیے گئے وہ صرف تصورات پر مبنی ہیں۔ حقائق سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ان حالات میں اسے نہ تو صحیح مانا جاسکتا ہے اور نہ حقیقت پر مبنی ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

حوالہ جات

1۔ ٹامس رو (ج)118۔ ایلیٹ 2، 201 پیلزرٹ 50، ٹیری 50، ڈیلا ویل (ج 1) 54، ترمذی (ج2)256
2۔ ڈاکٹر بنی پرشاد 163
3۔ ایضاً 193
4۔ ایضاً 180۔179
5۔ ایضاً 172
6۔ ایضاً 182
7۔ ایضاً 182
8۔ ایضاً 177
9۔ ایضاً 176
10۔ ایضاً 182۔181
11۔ پرچہ (ج4)355
12۔ ٹامس رو (2)363
13۔ ایضاً 404
14۔ ٹامس رو (ج2)263۔404۔407
15۔ ڈیلا ویل (ج1)57۔56
16۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا (1)122
17۔ ایضاً 123
18۔ مآثر جہانگیری (مطبوعہ)35
19۔ خافی خان (ج1)322

20۔ بدلین سنڈن (1) ایم۔سی 23 (کیٹ لوک نمبر 231) ایف (بی) 421۔389، نورالحسن 327، تاریخ جہانگیر شاہی جہانگیر کے 14 ویں سنہ جلوس میں لکھا گیا۔ یہ شاہی عنایات حاصل کرنے کی غرض سے لکھا گیا۔

21۔ اس تصنیف کی صداقت کے سلسلے میں پروفیسر نورالحسن رقم طراز ہیں۔ اس کی صداقت مشکوک ذرائع پر مبنی ہے۔ جو بہت قبل لکھی گئی لیکن مصنف نے بعد کی تصنیف جیسے توزک جہانگیری، اقبال نامہ جہانگیری اور دوسرے ہمعصر اور بعد کے تصانیف سے مواد یکجا کر کے اس کی تکمیل کی۔ اس لیے کہ اس میں کئی جوڑ جوڑ کر علاحدہ کیے گئے داستان اور حکایات جو جہانگیر کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ بالواسطہ شکل میں موجود ہیں اس لیے اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ پروفیسر نورالحسن، 32

22۔ ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن (جلد ۲) 52۔451

23۔ توزک جہانگیری کے مطابق مہابت خان بروز جمعرات دوئم اسفندرمز 1028ھ فروری 1620 کو شہنشاہ سے ملنے آیا اور سوموار 20 اسفندرمز تک رہا اور جہانگیر نے اسے 21 اسفند کو اپنے کام پر روانہ کیا۔ توزک (آر اینڈ بی) (ج2) 124۔121 سنہ جلوس کا اخری سال جو کہ 10 مارچ 1620ء کو شروع ہوا۔

24۔ توزک (آر اینڈ بی) (ج2) 107

25۔ پروفیسر نورالحسن 328

26۔ بنی پرشاد 173

27۔ ایضاً 173

28۔ ابن حسن۔ 177۔176

29۔ توزک (آر اینڈ بی) (ج1) 20

30۔ 1616 کے شروع تک اعتمادالدولہ کے خاندان کا منصب مندرجہ ذیل ہے:
اعتمادالدولہ 2000/ 6000 آصف خان 2000/ 4000 اعتقاد خان 500/ 1500۔ ابراہیم خان 2000/ 2500۔

اس کے دوسری طرف خان اعظم کو اپنی رہائی کے فوراً بعد 1615 میں 5000 کا منصب دیا گیا جس کو بڑھا کر 5000/7000 کر دیا گیا۔ خان اعظم کے لڑکے قلی خان کا منصب 1615 میں بڑھا کر 200/2500 کر دیا گیا۔ اور اسی سال اسے الہ آباد کا گورنر بھی بنایا گیا۔ 1617 میں اسے بہار کا گورنر بنایا گیا اور 1619 تک وہ اس عہدے پر مقیم رہا۔ خان اعظم کے چھوٹے لڑکے خرم (کمال خان) 2500 کے منصب پر قائم رہے۔ جب کہ اس کے بھائی عبداللہ کا منصب 1618 میں بڑھا کر 700/7000 کر دیا گیا جب کہ اعتماد الدولہ اس منصب پر 1619 میں فائز ہوئے۔ اس درمیان وہ دکن میں خصوصی سپہ سالار بنے رہے۔ اس کے لڑکے شاہنواز خان کا منصب 1616 میں 200/5000 کر دیا گیا اور اسی سال آصف خان کا منصب 4000/5000 کر دیا گیا۔ عبداللہ خان فیروز جنگ اور ان کے خاندان کا منصب مجملہ طور پر 12/ ہزار سوار دو اسپ سہ اسپ 1618 میں ہوا۔ اعتمادالدولہ کے خاندان کے منصب سے 1616 تک سواز نہ کیا جاتا ہے تو اعتمادالدولہ اور اس کے خاندان کے منصب سے کسی طرح غیر جانبداری کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔

31۔ منصب دار سے متعلق یہ ساری جانکاری توزک جہانگیری سے لی گئی ہے۔

32۔ مثال کے طور پر عزیز خان کوکہ اور راجہ مان سنگھ اکبر کے عہد میں اونچے منصب پر پہونچے۔ عزیز خان کوکہ کے خاندان کا اکبر کے عہد میں مجملہ منصب 29500 اور راجہ مان سنگھ کے خاندان کا مجملہ منصب 29000 سوار تھا۔ ان دونوں خاندان کے افراد کا انفرادی منصب اس طرح تھا۔

راجہ مان سنگھ کے خاندان کا منصب

بھگوان داس	5000
راجہ مان سنگھ	7000
جگن ناتھ	5000
راج سنگھ	5000/3000

اسکرنی	3000
مادھوسنگھ	3000/2000
خانگر	2000وغیرہ

عزیز خان کوکہ کے خاندان کا منصب:

خان کلاں	5000
قطب الدین معتمد خان	5000
شاہ محمد خان	2000
نورنگ خان	6000
شریف محمد خان	3000
جہانگیر قلی خان	2000
شادمان	1500
عزیز خان کوکہ	7000 کے منصب پر اکبر کے عہد میں پہنچے

33۔ احوال، قلمی نسخہ نمبر 18 (ب)

34۔ توزک (آر اینڈ بی) (جلد 1) 385

35۔ ایضا 29۔285

36۔ بنی پرشاد 260

37۔ توزک (آر اینڈ بی) (جلد 1) 397

38۔ توزک (آر اینڈ بی) (ج 2) 94

39۔ نورالحسن 330

40۔ توزک (آر اینڈ بی) (ج 2) 187

41۔ توزک آر اینڈ بی) (ج 2) 155

42۔ بنی پرشاد۔ 182۔181

43۔ خان اعظم، خسرو پرویز اور خرم کے تفصیلی کیریئر کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ بنی پرشاد کی

ہسٹری آف جہانگیر

44۔ توزک آرا اینڈ بی)(ج1)251

45۔ سکینہ۔21

46۔ توزک آرا اینڈ بی)(ج2)107

47۔ ایضاً۔

48۔ نورالحسن332

49۔ سکینہ۔26

50۔ توزک آرا اینڈ بی)(ج1)190

51۔ شاہجہاں آہستہ آہستہ اپنے شیعہ دوستوں سے دور ہورہا تھا اور ایرانیوں کا مفاد سنی طبقہ کی ترقی سے خطرے میں تھا۔اس طرح کے فضا نے غلط فہمی، بدخیالی اور بدگمانی میں اضافہ کیا۔یہ خلیج دن بدن بڑھتی گئی اور آخر کار پرانا سمجھوتہ منسوخ کر دیا گیا۔بنی پرشاد 257 مندرجہ بالا بیانات کا تجزیہ کرنے کے بعد بڑی آسانی سے دو نتیجے اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

اول: ایسی کوئی مثال نہیں ملتی ہے کہ نور جہاں شیعہ تھی پھر بھی جو بھی اس کا مذہب یا فرقہ رہا ہو اس کا بھائی آصف خان بھی اسی سے تعلق رکھتا تھا اور وہ اس چیز سے بخوبی واقف تھا کہ شاہجہاں کے عروج سے ایرانی مفاد کو خطرہ پہنچے گا۔تو وہ کیوں شاہجہاں کو تعاون کرتا۔اس لیے یہ تجزیہ کی کسوٹی پر کھرا نہیں اترتا۔

52۔ بنی پرشاد۔109

53۔ محمد صالح کنبو کا قول ہے کہ نور جہاں بیگم نے شہریار کے مفاد کے خاطر سلطان خسرو کے لڑکے بلاقی کو شہریار کی نظر بندی میں (1627) میں رکھا لیکن شہریار کے آدمیوں سے بلاقی کو لے کر میر بخش ارادت خان کو سونپ دیا گیا۔یہ شاہجہاں کے لیے ایک محفوظ قدم تھا۔نور جہاں کا جہانگیر پر قابل لحاظ اثر ورسوخ ہونے کے باوجود وہ اس معاملے میں کچھ کہنے کی جرات نہیں کرسکی۔عمل صالح (مطبوعہ)169 عمل صالح کے

اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امور سلطنت میں جہانگیر کسی کے اثر و رسوخ میں بہت کم آتا تھا۔

54۔ ڈاکٹر آر پی، تر پاٹھی 422، ترمذی 15

55۔ ریکھا 33

56۔ ایضاً 60

57۔ ڈاکٹر آر پی تر پاٹھی۔ 623

☆☆☆

باب ہفتم

مہابت خاں کی یورش اور جہانگیر کو مہابت خان کی قید سے آزاد کرانے میں نور جہاں کی حکمت عملی

"آصف خان کی نفرت اور حسد سے گریز اب میرے لیے ناگزیر ہے۔ اس لیے میں نے اپنے آپ کو جہاں پناہ کی حفاظت میں سپرد کر دیا ہے۔ اگر موت کی سزا کا مستحق ہوں، تو آپ حکم دیں میں آپ کی موجودگی میں اسے قبول کروں گا۔" —— مہابت خان

مہابت خان نے شاہجہاں کی بغاوت کو کچلنے میں نمایاں کردار نبھایا۔ مغلیہ حکومت کے سب سے کامیاب اور بہادر سپہ سالار کی حیثیت سے اس کی شبیہ قائم ہوئی۔ لیکن اس کے برعکس اس کے سب سے بڑے حریف آصف خان کی طاقت اور پوزیشن (رتبے) میں کافی کمی آئی۔ اس

پر شاہجہاں کے خفیہ معاون کی حیثیت سے شک کیا جانے لگا۔ گرچہ آصف خان نے شاہجہاں کی بغاوت کے دوران اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھا لیکن شاہجہاں کی بغاوت کے خاتمہ کے بعد مہابت خان کی بڑھتی ہوئی طاقت اور پرویز مہابت سمجھوتہ نے آصف خان کو متنبہ کر دیا اور وہ اس حقیقت کو محسوس کرنے لگا کہ مہابت خان حالات کو اپنے موافق ڈھال کر اقتدار اپنے ہاتھوں میں مرکوز کر سکتا ہے۔ اس لیے آصف خان نے اپنی علاحدگی کی حکمت عملی کو خیر آباد کہہ کر ایک طرف مہابت خان کی طاقت اور اقتدار کو ختم کرنے، تو دوسری طرف پرویز مہابت سمجھوتہ کو توڑنے کے لیے جہانگیر پر اپنے اثر ورسوخ کو بروئے کار لاتے ہوئے پس پردہ نئی حکمت عملی کا آغاز کیا۔

دکن کی افراتفری کی اطلاع کے بعد مہابت خان نے شاہی فرمان کی تعمیل کے لیے دربار میں واپسی کا سفر شروع کیا۔ لیکن جب وہ سارنگ پور پہنچا تو اسے دوسرے فرمان کے ذریعہ بنگال کے گورنر کی ذمہ داری قبول کرنے کا حکم صادر ہوا اور خان جہان لودی کو مہابت خان کی جگہ متعین کیا گیا۔ اس سلسلہ میں معتمد خان اور خواجہ کامگار حسینی کا خیال ہے کہ یہ سارے اقدام آصف خان کے اشارے پر ہوئے جس کا مقصد مہابت خان کو پوری طرح سے برباد (1) کرنا تھا۔

گرچہ شہزادہ پرویز نے شروع میں خان جہاں لودی کو اپنا وکیل ماننے سے انکار کر دیا، اور برہان پور میں مقیم رہنے کی ضد کی لیکن مہابت خان بنگال کی صوبہ داری قبول کرنے کو تیار ہو گیا۔

اس طرح پرویز مہابت سمجھوتہ کو توڑنے میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ایک شاہی فرمان کے ذریعہ مہابت خان کو یہ ہدایت دی گئی کہ شاہجہاں کی بغاوت کے دوران بہار اور بنگال میں جو ہاتھی حاصل ہوئے ہیں اسے دربار روانہ کر دے اور ساتھ ہی ساتھ بنگال کے آمد و خرچ کا حساب و کتاب بھی دربار میں شاہی دیوان کے پاس جمع کرے۔ یہ سبھی واقعات 1625 میں پیش آئے جب وہ دکن (2) میں سارنگ پور میں مقیم تھا۔

شاہی فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے مہابت خان نے شاہی اصطبل کے لیے ہاتھیوں کو روانہ کر دیا اور ذاتی طور پر بنگال کا حساب (3) پیش کرنے کے لیے دربار پہنچ گیا۔

لیکن اس کے دربار پہنچنے پر دو واقعات رونما ہوئے۔ پہلا جب تک اسے دربار میں حاضری کی اجازت نہ دی جائے پیش نہ ہو، اور دوسرے اس کے داماد برخوردار کو شاہی منظوری

حاصل کیے بغیر شادی کا رشتہ طے کر دینے کے جرم میں ذلّت آمیز سزا دی گئی۔ ان دونوں واقعات نے مہابت خان (4) کو بے حد ناراض کیا۔ اس نے اپنی اور اپنے ہونے والے داماد کی اس بے عزّتی کو آصف خان (5) کی دانستہ سازش قرار دیا۔

دربار میں آصف خان کے ہاتھوں بے عزت ہونے کے بعد مہابت خان اپنے وفادار راجپوت فوجوں کی ٹکری کے ساتھ دربار سے واپس آ گیا۔ اس درمیان جہانگیر کابل کے راستے لاہور پہنچ چکا تھا۔ (اکتوبر 1625) وہ وہاں سے مارچ 1625 میں کابل کے لیے روانہ ہوا اور جہلم ندی کے کنارے اپنا خیمہ ڈال دیا۔ تقریباً سبھی لوگ ساز وسان کے ساتھ ندی کے اس پار جا چکے تھے صرف بادشاہ جہانگیر، معتمد خان، میر منصور بدخشی اور خاندان کے چند افراد دوسری صبح روانہ ہونے کے لیے خیمہ میں مقیم تھے۔ مہابت خان اپنے راجپوت فوجی ٹکڑیوں کے ہمراہ علی الصباح جہلم پر بنے پل کو پار کر جہانگیر کی رہائش گاہ تک پہنچ گیا۔ اس نے اپنے محافظوں کو پل کی حفاظت کے لیے تعینات کر دیا اور یہ ہدایت دی کہ کوئی پل پار کرنے کی کوشش کرے تو پل کو جلا دیا جائے اور حملہ آور کے ساتھ سختی سے پیش آیا جائے۔ بہر حال جب وہ جہانگیر کے رہائش گاہ کے نزدیک پہنچا تو معتمد خان مہابت خان کے سامنے آیا اور کہنے لگا:

''گستاخانہ روش مناسب نہیں ہے۔ اگر آپ چند لمحہ انتظار کریں تو میں اندر جاتا ہوں، بادشاہ کو آپ کی آمد کی اطلاع دیتا ہوں۔ اور ان سے آپ کی ملاقات کی درخواست کرتا ہوں۔''

مہابت خان نے معتمد خان کی درخواست کو برطرف کر دیا اور خود جہانگیر کے نجی رہائش گاہ غسل خانہ میں داخل ہو گیا۔ اس نے شہنشاہ کو اپنی تعظیم پیش کی۔ اور جہانگیر کو ان الفاظ میں مخاطب کیا:

''میرا ایسا اندازہ ہے کہ آصف خان کی نفرت، بغض اور مخاصمت سے گریز ناممکن ہے اور میں شرمندگی اور ذلّت میں مار دیا جاؤں گا۔ اس لیے میں نے جرأت کر کے اپنے آپ کو جہاں پناہ کی حفاظت میں سونپ دیا ہے۔ اگر میں موت کی سزا کا مستحق ہوں تو حکم دیں میں آپ کی موجودگی (6) میں اسے

قبول کروں گا۔''

مہابت خان کے راجپوت سپاہی شاہی غسل خانہ کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور اس وقت جہانگیر کے ساتھ عرب دست غیب، میر منصور بدخشی اور کچھ خادموں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ مہابت خان کی پرتشدد حرکت سے رنجیدہ ہو کر جہانگیر نے مہابت خان کو ختم کرنے کے لیے دو بار اپنی تلوار پر گرفت رکھی لیکن ہر بار میر منصور نے ترکی زبان میں جہانگیر کو ایسا کرنے سے باز رہنے کو کہا۔ جسے مہابت خان نہیں سمجھ سکا۔ وہ الفاظ اس طرح تھے:

''یہ وقت برداشت وصبر کا ہے اس بدخصلت اور بے وفا آدمی کی سزا خدا پر چھوڑ دیں۔ حساب کتاب اور سزا کا ایک وقت (7) ضرور آئے گا۔''

گرچہ جہانگیر ایک طرح سے مہابت خان کے ذریعہ مقید ہو گیا تھا۔ لیکن نور جہاں جسے مہابت خان کے سپاہی گرفتار نہیں کر سکے اپنے کچھ خادمہ کے ساتھ وہاں سے نکل گئی۔ جھیلم ندی پار کرنے کے بعد وہ آصف خان کے رہائش گاہ پر پہنچی اور امرا کی ایک نشست بلائی اور انھیں ان الفاظ میں مخاطب کیا:

''یہ سبھی حادثات آپ کی احمقانہ انتظام اور لاپرواہی کی وجہ سے ہوا۔ جس بات کا اندازہ کسی کے تصور میں بھی نہیں تھا وہ پیش آیا۔ آپ لوگ خدا اور انسان دونوں کے سامنے اپنی حرکتوں کی وجہ سے پشیمان اور شرمندگی کے ساتھ کھڑے ہیں۔ لیکن اب اس برائی کے خاتمے کے لیے اپنی تمام کوشش بروئے کار لائیں اور مجھے مشورہ دیں کہ کون سا قدم (8) اپنایا جائے۔''

آصف خان اور دوسرے امرا کے ساتھ مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ حملہ کر کے شہنشاہ کو مہابت خان کی قید سے آزاد کرا لیا جائے۔ جب جہانگیر کو اس فیصلے کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے قاصد کے ذریعہ نور جہاں اور آصف خاں کو ہدایت دی کہ بیکار کے خون خرابے سے بچا جائے۔ لیکن جہانگیر کے منع کرنے کے باوجود نور جہاں کی کمان میں شنبہ کی صبح 18 / مارچ 1626 بمطابق 21 / جمادی الثانی 1035 A.H. کو مہابت خان کی فوجوں پر حملہ کیا گیا۔

اس حملے میں شاہی افواج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اور شاہی افواج کے بہت

سارے لوگ جہلم ندی میں ڈوب گئے۔ لیکن نور جہاں نے غیر معمولی جرأت کا مظاہر کرتے ہوئے ندی کے دوسرے کنارے پر پہنچنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ ندی کو پار کرنے کے دوران خود اس کے ہاتھی کو کئی ضرب لگے اور اس کی نوزائیدہ نواسی کے بازو میں تیر کا زخم لگا لیکن اس کے جرأت مندانہ اقدام کے باجود اسے اپنے خیمے میں واپس ہونا پڑا اور اس طرح یہ حملہ پوری طرح سے پسپا ہو گیا۔ آصف خان اپنے لڑکے ابوطالب اور اپنے تین ہزار سپاہیوں کے ہمراہ اپنی جاگیر روہتاس میں اٹاک بھاگ کر قلع بند ہو گیا۔ لیکن مہابت خان کے لڑکے بہروز خان کے ذریعہ قلعہ فتح کر لیا گیا۔ آصف خان اس کے لڑکے ابوطالب اور داماد خلیل اللہ خان کو قید کر لیا گیا۔

طویل مدت سے جہانگیر سے دوری اور پھر اپنی ناکامی کے غم کو ختم کرنے کے لیے نور جہاں نے اپنے آپ کو مہابت خان کے سپرد کر دیا۔

اس طرح مہابت خان کا اقتدار قائم ہو گیا اور بادشاہ جہانگیر، نور جہاں اور آصف خان وغیرہ سبھی اس کی حراست میں تھے۔ مہابت خان نے اپنے ساتھ جہانگیر کو کابل کے سفر کے لیے آمادہ کر لیا اور پورا قافلہ 21 رشعبان A.H. 1035 بمطابق مئی 1626 کو کابل پہنچا۔

گرچہ نور جہاں نے اپنے آپ کو سپرد کر دیا تھا لیکن حقیقت میں اس کی سپردگی کے پیچھے مندرجہ ذیل منصوبہ اس کے ذہن میں کارفرما تھے۔

1۔ جہانگیر سے قربت حاصل کر اس کی تنہائی دور کرنا اور آپسی صلاح مشورہ سے حکمت عملی تیار کرنا۔

2۔ جہانگیر اور نور جہاں مہابت خان کے ہمراہ خوش ہیں اور اس طرح مہابت خان کے شک وشبہ کو ختم کر اس کے محافظوں کے دستہ کو کم کرنا۔

3۔ پوشیدہ طور پر امرا کو اپنی طرف ملا کر اپنی پوزیشن مستحکم کرنا۔ گرچہ اس کی حکمت عملی کا آخری نکتہ خود اس کے ذریعہ عملی جامہ پہنایا جانا تھا لیکن حکمت عملی کا دوسرا نکتہ نور جہاں کی ہدایت پر جہانگیر کے ذریعہ پورا کیا جانا تھا۔

نور جہاں کی ہدایت کے مطابق جہانگیر نے مہابت خان پر تأثر ڈالا کہ وہ ہمیشہ اس کی رفاقت، صحبت اور صلاح ومشورہ کا خواہاں رہا ہے۔ لیکن نور جہاں اور آصف خان کے ہاتھوں مجبور

تھا وہ اب بے شک خوش وخرم ہے کہ اپنے وفادار ملازم کے ذریعہ آزاد کرالیا گیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ جہانگیر نے اپنے حرکات وسکنات سے مہابت خان کو پوری طرح سے مطمئن کر دیا کہ وہ ان حالات میں پوری طرح سے خوش ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہابت خان اس کی طرف سے مطمئن ہوگیا۔ اور جہانگیر وغیرہ کے اردگرد محافظوں کی تعداد میں بہت کمی کر دی۔

گرچہ مہابت خاں کا اقتدار قائم ہوگیا تھا لیکن اس کی بڑھتی ہوئی گستاخی، تکبر اور راجپوت احدی جھگڑے میں راجپوتوں کی غلطی کے باوجود ان کی طرفداری سے مہابت خان (9) کے خلاف لوگوں میں بے چینی پیدا ہونے لگی اور اس کی شہرت میں کافی کمی آ گئی۔ جس سے اس کی پوزیشن اندرونی طور پر کمزور ہونے لگی۔ ان سبھی واقعات نے نور جہاں کے شاندار ذہن کو سنہرا موقع فراہم کیا اور وہ مہابت خان کے امرا کے درمیان انتشار پیدا کرنے اور بہتوں کو اپنی طرف ملانے میں کامیاب ہوگئی۔ درحقیقت اس واقعہ کے بعد اس نے مہابت خان کے زیادہ سے زیادہ اہل کاروں کو اپنی طرف ملالیا۔ اس نے جو اس کی طرف ملنے کے خواہاں نہیں تھے ان میں سے بہتوں کو (10) چاپلوسی اور وعدہ وعید کے ذریعہ اپنا ہمنوا بنالیا۔

کئی ہفتے کے قیام کے بعد شاہی قافلہ کابل سے لاہور کے لیے روانہ ہوا۔ 1035ھ بمطابق 1626 کابل کے راستے جہانگیر نے اپنی پوری ذہانت کے ساتھ نور جہاں کے ہمراہ تیار کیے گئے منصوبہ کو عملی جامہ پہناتا رہا اور اس طرح مہابت خان کو پوری طرح اپنے اعتماد میں لے لیا۔ اس کے دوسری طرف نور جہاں نے اپنے کارکردگی میں اضافہ کرلیا اور اس کے بہی خواہوں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ اپنے خوجا، ہوشیار خان کی مدد سے اس نے لاہور میں دو ہزار سپاہیوں کو ایک دستہ تیار کرلیا اس دستے کو پوشیدہ طور پر گانے بجانے والے کی شکل میں شاہی کیمپ کے اردگرد جمع ہونے کی ہدایت دی۔ نور جہاں نے جب اس حقیقت کو محسوس کرلیا کہ وہ محفوظ اور مضبوط حالات میں ہے تو اس نے آخری مہم کی تیار شروع کر دی۔ جب شاہی قافلہ روہتاس سے ایک فرلانگ کی دوری پر تھا تو نور جہاں نے جہانگیر سے اپنے نئے گھوڑسوار دستے کے معائنہ کرنے کا ارادہ مہابت خان کے سامنے ظاہر کیا۔ اس طرح اس کی ہدایت کے مطابق شاہی رہائش گاہ کے دونوں طرف جہاں تک ممکن تھا یہ نئے فوجی صف بند ہوگئے۔ اس کے علاوہ شہنشاہ نے اپنے قاصد

بلند خان اور خواجہ ابوالحسن کے ذریعہ بڑے ہی سخت الفاظ میں مہابت خان کو ہدایت دی کہ چونکہ جہاں پناہ بیگم کی فوجوں کا معائنہ کرر ہے ہیں اس لیے روزانہ کی فوجی مشق منسوخ کردی جائے۔ اور بیگم کی فوجوں سے ایک منزل(11) آگے رہے۔

مہابت خان نے گرچہ شاہی حکم کی تعمیل کا بہانہ کیا لیکن درحقیقت اپنی کمزوری کا احساس کرتے ہوئے وہ اتنی تیز رفتاری سے آگے نکل بھاگا کہ شاہی فوجیں اس کے قریب نہیں آسکیں۔ لیکن وہ اپنے ساتھ آصف خان اور اس کے لڑکے ابوطالب کو قیدی (12) بنا کر ساتھ لیتا گیا۔ نور جہاں نے افضل خان کے ذریعہ دونوں قیدیوں کو جلد از جلد رہا کرنے کی ہدایت دی اور بھیانک انجام(13) کی دھمکی دی۔ نتیجے کے طور پر مہابت خاں نے دونوں کو رہا کر دیا۔ جہانگیر نے کسی بھی پڑاو پر کوئی قیام کیے بغیر بہت ہی مختصر مدت میں روہتاس پہنچا اور وہاں دربار(14) لگایا۔

اس طرح جہانگیر نے کچھ ماہ قبل اپنی جس آزادی کو کھودی تھی اسے دوبارہ اسی ندی کے کنارے حاصل کرلیا۔ اس کی رہائی کے ساتھ ساتھ مہابت خان کی یورش کا خاتمہ ہوگیا۔

مہابت خان کے ذریعہ جہانگیر کی قید اور نور جہاں کے ذریعہ آزاد کرانے کی کامیاب کوشش اور حکمت عملی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا کہ اس نے مہابت خاں کے یورش کے نازک اوقات میں جب شاہی ناموس خطرے میں تھا، شاہجہاں دکن میں تھا، آصف خان اور اس کا لڑکا ابوطالب جو کہ جہانگیر کے مملکت کے سب سے اہم ستونوں میں سے تھے اور جہانگیر اور نور جہاں کو اپنے حال پر چھوڑ کر، خود اٹاک میں قلع بند ہوگئے تھے اور بادشاہ بیگم کو مہابت خان کے رحم کرم پر چھوڑ دیا تھا لیکن یہ نور جہاں تھی جو نہ صرف ایک وفادار بیوی کی طرح اپنے شوہر کی مصیبت و پریشانی میں شریک رہی بلکہ اپنی جرأت اور سیاسی حکمت وبصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے شہنشاہ کو نہ صرف مہابت خان کی قید سے آزاد کیا بلکہ مغلیہ شہنشاہ اور مغلیہ مملکت دونوں کے کھوئے ہوئے ناموس، وقار واقتدار کو واپس لانے میں شاندار کامیابی حاصل کی۔

☆☆☆

حوالہ جات

1۔ اقبال265،کامگار(مطبوعہ)436،ایلیٹ(ج6)418،شاہنواز(ج2)14

2۔ اقبال265

3۔ کامگار(مطبوعہ)427۔ایلیٹ(ج6)419

4۔ کامگار(مطبوعہ)436۔ایلیٹ(6)420

5۔ کامگار(مطبوعہ)439،خافی خان(ج1)360،بنی پرشاد269

6۔ کامگار(مطبوعہ)436،خافی خاں(ج1)360،شاہنواز
(جلد2)1506،اقبال265۔253،بنی پرشاد269

7۔ کامگار(مطبوعہ)238،ایلیٹ(ج6)22۔421

8۔ اقبال275،بنی پرشاد282

9۔ کامگار(مطبوعہ)7۔456،اقبال125۔274،خافی خان(ج1)76۔34

10۔ اقبال275

11۔ کامگار(مطبوعہ)57۔456۔ایلیٹ(ج6)430

12۔ کامگار(مطبوعہ)402۔اقبال308۔شاہنواز(ج1)52۔18

13۔ کامگار(مطبوعہ)402۔اقبال252

14۔ ایلیٹ(ج6)30۔بنی پرشاد386

15۔ اقبال76۔275۔خافی خان(ج1)78۔377،ایلیٹ(ج6)43

☆☆☆

باب ہشتم

جہانگیر کی موت، نور جہاں کی مصیبتیں اور آخری ایام

''نور جہاں نے آخر کار اس اسٹیج کو جس پر وہ ایک لمبے عرصے تک اثر پذیر تھی ہمیشہ کے لیے خیر باد کر دیا، اس کی رومانی زندگی کو قسمت کے بدلنے کا ایک اور تجربہ ہوا۔ وہ اس شخص سے دو لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ لینے پر شاکر ہوگئیں جس کو اس نے بلندی کے مقام پر پہنچانے میں نمایاں کردار نبھایا تھا۔ لیکن جسے اس نے پستی میں لا کھڑا کیا مگر قسمت نے کروٹ لی اور وہ پھر بلندی پر پہنچ گیا۔'' —— بنی پرشاد

مرزا غیاث بیگ عرف اعتماد الدولہ کے فرزندوں میں ابوالحسن (جسے مختلف ادوار میں مختلف خطاب سے نوازا گیا، جیسے 1611 میں اعتقاد خان، 1614 میں آصف خان اور 1628 میں یمین الدولہ)، جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد حکومت میں خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کی لڑکی ارجمند بانو بیگم جو تاریخ کے صفحات پر ممتاز محل کے نام سے مشہور ہے شہزادہ خرم (شاہجہاں) سے

1607 میں بیاہی گئی۔ مرزا غیاث بیگ کی 1621 میں موت کے بعد اسے مملکت کا وزیر بنایا گیا اور اس طرح وہ اقتدار کی بلندی پر پہنچ گیا۔

لیکن اس وقت کی سب سے بڑی کمی یہ تھی کہ گوشت اور خون کے لتھڑے میں ملبوس انسان کو کسی بلند درجہ اصول کے مقابلہ میں زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ حکمران کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اکثر و بیشتر لوگ اپنے اصول و افکار میں بھی تبدیلی کر دیتے تھے۔

آصف خان جو جہانگیر کے انتقال کے قبل اپنی بہن نور جہاں کا سب سے بڑا وفادار اور خیر خواہ تھا۔ جہانگیر کی موت کے ساتھ اس کی وفاداری بدل گئی اور وہ اپنی بہن نور جہاں کا سب سے بڑا مخالف اور داماد شاہجہاں کا سب سے بڑا حمایتی بن کر سامنے آیا۔

نور جہاں کے لیے جہانگیر کی موت سب سے بڑا صدمہ تھا۔ اس کا داماد شہریار نور جہاں کے غم و رنج کے وقت دلاسہ دے سکتا تھا لیکن لاہور میں مقیم تھا۔ وہ تنہا اور بے سہارا تھی۔ اس رنج و غم اور کس مپرسی کے عالم میں اس نے اپنے بھائی آصف خان کو بلایا (1) لیکن آصف خان چونکہ شاہجہاں کا طرف دار تھا اور اس کو نور جہاں کی طرف سے کسی سازش کا اندیشہ تھا اس لئے آنے سے صاف انکار کر دیا اور اس کے برعکس شاہجہاں کی تخت نشینی کے لیے راہ ہموار کرنے لگا۔

اپنی حکمت عملی کے پہلے قدم کی شکل میں اس نے نور جہاں کے ذریعہ بلائی گئی میٹنگ پر روک لگا دیا اور میر بخشی ارادت خان کو اپنا ہم خیال بنالیا۔

دوسرے ایک منجھے ہوئے سیاست داں کی طرح مندرجہ ذیل مقاصد کے حصول کے لیے جیسے—

☆ شہریار سے لڑائی ہونے کی حالت میں عام لوگوں کی ہمدردی اس کے ساتھ ہو۔

☆ آئینی مسئلے کو حل کرنا۔

☆ شاہجہاں کے تخت نشینی کا راستہ ہموار کرنا۔

دوار بخش کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ حقیقت میں اس کا یہ قدم پوری طرح سے ایک سیاسی قدم تھا۔ مرحوم شہزادہ خسرو کا فرزند ہونے کے ناطے جہانگیر نے کچھ دنوں کے لیے اس سے ہمدردی کی تھی۔ اس لیے لوگوں کو شک و شبہ نہ رہے، اس نے دوار بخش (2) کی بادشاہت کا اعلان

کیا۔لیکن درحقیقت وہ صرف قربانی کا بکرا تھا جسے شاہجہاں (3) کی تخت نشینی کو ہموار کرنے کے لیے تخت نشیں کیا گیا تھا۔ پھر بھی شاہی کیمپ کے بھی امرا نے پوری طرح سے آصف خان کے اس قدم کی حمایت کی جس سے مستقبل میں شاہجہاں کی تخت نشینی ہو سکے۔

بہر حال یہ سارے واقعات جہانگیر کے انتقال کے دن رونما ہوئے۔ دوسرے دن آصف خان کا قافلہ بھمبر پہنچا جہاں مرحوم شہنشاہ کی کچھ رسومات ادا (4) کی گئیں۔

نور جہاں اپنے بھائی آصف خان کی اس غیر متوقع حرکات وسکنات سے سکتے میں آ گئی۔ وہ اپنے مرحوم شوہر کی نعش کے ساتھ آصف خان کے قافلہ کے پیچھے چل پڑی۔ دارا، شجاع اور اورنگ زیب یہ تینوں شہزادے بھی اس کے ساتھ تھے۔ آصف خان نے شاہجہاں کی حمایت میں کچھ اور امرا کو اپنی طرف کرلیا۔ خواجہ ابوالحسن کے تعاون سے تینوں شہزادوں کو جو نور جہاں کے اختیار میں تھے، نور جہاں سے الگ کرنے میں کامیابی حاصل کرلی۔ لیکن حقیقت میں صادق خان کا آصف خان کے ساتھ ملنے سے آصف خان کی طاقت میں کافی اضافہ ہوا۔ آصف خان نے صادق خان (5) کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے تینوں شہزادوں کو اس کے اختیار میں دے دیا۔ اب نور جہاں سے مقابلہ کرنا اور بھی آسان ہوگیا۔ اس پر ایک طرح سے نگرانی (6) رکھ دی گئی اور کسی کو بھی نور جہاں سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن نور جہاں اپنے داماد شہر یار کو زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو جمع کرنے اور جلد از جلد اس کے پاس پہنچنے کا پوشیدہ پیغام بھجوانے میں کامیاب ہوگئی۔

جب شہر یار کو اپنے والد کی موت اور اپنے مخالفین کی تیاری کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ خزانہ پر قبضہ کرلیا اور امرا اور سرداروں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے بے دریغ روپے تقسیم کیے۔ مرحوم دانیال کا لڑکا باستیغر بھی اس کے ساتھ ہوگیا اور فوج کی کمان سنبھال لی۔ توپ خانہ کے اس دستے پر قبضہ جمالیا جسے جہانگیر نے کشمیر کے سفر کے دوران وہاں چھوڑ رکھا تھا۔ اس کی دوسری طرف آصف خان دوار بخش کے ہمراہ شہر یار کو پسپا کرنے کے لیے لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ مقابل فوجیں لاہور سے تین میل کے فاصلے پر آمنے سامنے ہوئیں۔ شہر یار بذات خود اپنی فوجوں کے ساتھ لاہور میں موجود رہا اور اپنی بقیہ فوجوں کو

باسنغر کی (7) کمان میں آصف خان سے لڑنے کے لیے روانہ کردیا۔ آصف خان کی فوج چونکہ پوری طرح سے تیار اور جنگ آزمودہ تھی۔ اس کے برعکس شہریار کی فوج غیر تجربہ کار تھی اور جلدی بازی میں تیار کی گئی تھی اور اس میں بہت سارے ایسے آدمی تھے جنھیں ایک بھی جنگ سے واسطہ تک نہیں پڑا تھا۔ بہتوں نے تو بندوق وتوپ کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔ اس لیے جنگ کے پہلے دن ایسے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ شہریار کی فوج مقابلہ نہیں کرسکی اور پسپائی کا سامنا کرنا پڑا۔ شہریار کو جب اپنی شکست کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے کو قلعہ بند کرلیا (8) آصف خان نے اپنا خیمہ (مستقر) مہدی قاسم خان کے باغیچہ میں نصب کیا۔ افضل خان جس نے نہ صرف اپنے آقا شہریار کو خیر باد کہا بلکہ شہریار کے بہت سارے لوگوں کے ساتھ آصف خان سے جاملا۔ اس سے آصف خان کو شہریار کے قلع کو فتح کرنے میں بڑی آسانی ہوگئی، ارادت خان اور شائستہ خان رات کے وقت قلع میں داخل ہوئے اور شاہی آنگن میں اپنا خیمہ نصب کیا۔ صبح میں ان لوگوں نے شاہی قلع پر قبضہ کرلیا اور شہریار کی تلاش شروع ہوگئی۔ اس نے اپنے آپ کو زنان خانہ (9) میں چھپا رکھا تھا لیکن شہریار کے کچھ لوگ جن کا آصف خان سے پوشیدہ سمجھوتہ تھا آصف خان کے ایک سپہ سالار اور اللہ وردی خان کو شہریار کے چھپنے کا ٹھکانہ بتادیا اور وہ گرفتار کرلیا گیا۔ بدنصیب شہریار کو (10) اندھا کردیا گیا اور دانیال کے دوسرے لڑکے شاہ طہمورس اور ہوشنگ بھی گرفتار کرلیے گئے۔

اس درمیان بناری نام کے ایک تیز رفتار گھوڑ سوار کو آصف خان نے شاہجہاں کے پاس پیغام لے کر روانہ کیا۔ لمبے سفر کو بارہ دنوں میں طے کر کے 19 ربیع الاول 1037 A.H. کو شاہجہاں کے پاس مانڈو پہنچا۔ شاہجہاں نے چار دن ماتم کا اعلان کیا اور 23 ربیع الاول 1037 A.H. (11) کو وہاں سے روانہ ہوا۔ جب وہ راستے میں ہی تھا تو اس نے آصف خان کو ایک پیغام بھیجا جس کے مطابق دوار بخش، شہریار اور دانیال کو ختم کرنے کی ہدایت دی۔ اس طرح آصف خان نے حکم کی تعمیل کی اور سبھی شہزادے ختم (12) کردیے گئے۔ شاہجہاں کی بادشاہت کا اعلان کردیا گیا۔ اور 19 جنوری 1628 بمطابق 1037ھ کو لاہور میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ دوار بخش جسے قربانی کے بکرے کی شکل میں استعمال کیا گیا تھا اسے بھی موت

کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

اس طرح آصف خان نے اپنے منظم منصوبہ کے تحت یکے بعد دیگرے شاہجہاں کے سبھی مخالفین کا خاتمہ کر دیا۔ یہ آصف خان ہی تھا جس کی سیاسی تدبر اور فوجی حکمت عملی نے شاہجہاں کی تخت نشینی کی راہ ہموار کی۔ شاہجہاں کے لیے وہ بادشاہ بنانے والا کی حیثیت رکھتا تھا۔ اعلیٰ درجہ کی تعظیم و تکریم کی شکل میں شاہجہاں نے اسے مملکت کا وزیر مقرر کیا اور یمین اللہ ولہ کے خطاب سے نوازا۔ اس کا منصب 9 ہزار ذات اور دو اسپ و سہ اسپ مقرر کیا گیا۔

شہاب ثاقب کی طرح نور جہاں کی قسمت نے ایک بار پھر ڈرامائی کروٹ لی۔ اسے دو لاکھ روپے سالانہ وظیفہ اس آدمی کے ذریعہ مقرر کیا گیا جسے اس نے اقتدار کی بلندی پر پہنچا دیا تھا اور پھر پستی میں لا کھڑا کیا لیکن قسمت نے اسے شہنشاہ ہند کے بلند مقام پر پہنچا دیا۔ آخر کار اقتدار کے اس اسٹیج کو نور جہاں نے خیر باد کہہ دیا جس پر وہ لمبے عرصے تک جلوہ افروز تھی۔ اپنی آخری زندگی کے ایام میں اس نے اپنی لڑکی مرحوم شہر یار کی بیوہ کے ساتھ اپنے شوہر کی سوگواری میں گذاری۔

بادشاہ جہانگیر کی موت 20/صفر 1037ھ بمطابق 28/اکتوبر 1627 کی صبح لاہور جانے کے دوران کشمیر کے پاس راجوری13 نامی مقام پر ہوئی۔ اس کی موت نور جہاں کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا۔ اس نے روح فرسا حالات میں اپنے بھائی آصف خان کو بلوایا لیکن آصف خان نے کوئی نہ کوئی عذر بنا کر اپنی بہن 14 سے ملنے سے گریز کیا۔ اس کے برعکس اس نے نور جہاں پر اپنے آدمیوں کے ذریعہ نگرانی رکھ دی اور کسی کو بھی اس سے ملنے کی اجازت نہیں دی۔ نور جہاں اپنے بھائی کی اس غیر متوقع سلوک سے سکتے میں پڑ گئی۔ رنج والم کے حالات میں اپنے شوہر کے جنازہ کے ساتھ بھمبر پہنچی۔ وہاں مرحوم بادشاہ کے آخری رسومات ادا کیے گئے اور راوی ندی کے کنارے ایک باغ میں اپنے مرحوم شوہر کو سپرد خاک کر دیا۔ یہ باغ دل کشا باغ کے نام سے مشہور ہے اور نور جہاں نے ہی اس کی تعمیر کرائی تھی۔

جہانگیر کی موت نور جہاں کے لیے ایک شدید جھٹکا تھا۔ اس کے رنج و غم کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ اس سانحہ نے اس کو پوری طرح سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے داماد شہر یار کا قتل اور

شاہجہاں کی تخت نشینی نے اس کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ بادشاہ بیگم سے وہ ایک وظیفہ یافتہ بیوہ کی حالت پر پہنچنے اور اچانک پورے حالات کی تبدیلی پر بیحد شکستہ دل اور مغموم تھی۔ لیکن اس نے پوری طرح قسمت کے اس فیصلے کے آگے سرنگوں کر دیا۔ ہمیشہ کی طرح قسمت اس کے معاملے میں ایک بار پھر کافی ناپائیدار ثابت ہوئی۔ اس نے عوام الناس کی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور اپنے آپ کو ساری تقریبات سے دور کر لیا۔ آرام آرائش کو خیر باد کر دیا۔ لیکن اسے بہر حال اس شخص سے دو لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ 15 قبول کرنے پر مجبور ہونا پڑا جس کو کبھی اس نے قسمت کی بلندی پر پہنچا دیا تھا، اور اس کا بہت بڑا مداح وحمایتی تھا۔ بہر حال ہمیشہ کے لیے اس نے اس اسٹیج کو خیر باد کہہ دیا جس پر اس نے ایک لمبے عرصے تک اقتدار جمار کھا تھا۔ اس کی رومانی زندگی بڑی تیزی سے خاتمے کی طرف رواں تھی۔ جو لوگ اس کے ایک اشارہ پر دل وجان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے، جلد از جلد اسے چھوڑ نا چاہتے تھے۔ اس کے سبھی اختیارات واقتدار اچانک ختم ہو گئے اور یاد ماضی بن گئے۔ سکوں 16 پر سے اس کے نام ہٹا دیے گئے۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام اپنے مرحوم شوہر کی یاد میں ایک شاندار مقبرہ بنوانے میں صرف کرنا شروع کر دیا۔ یہ مقبرہ آج بھی لاہور میں راوی کے کنارے موجود ہے اور نور جہاں کے علم فن تعمیرات کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کی لڑکی باہو بیگم جو لاڈلی بیگم کے نام سے مشہور ہے اس کے رنج وغم کے اس موقع پر اس کی واحد ساتھی تھی اور اپنی ماں کی ضعیفی اور دکھوں کی واحد مداوا تھی۔ یہ دونوں گذشتہ اٹھارہ برسوں سے بیوہ تھیں۔ بدنصیبی نے دونوں کو پوری طرح سے ایک دوسرے پر منحصر بنا دیا تھا۔ جہانگیر سے شادی کے بعد نور جہاں کو کوئی اولاد 17 نہیں ہوئی۔ آخر کار 25 شوال 1055ھ 18 بمطابق 6/اکتوبر 1645 کو اس نے اپنی زندگی کی آخری سانس لی۔ لاہور کے نزدیک شاہدرہ میں جہانگیر کے مقبرہ کے نزدیک ایک سادہ مقبرہ میں ابدی طور پر اسے سپرد خاک کر دیا گیا۔

مندرجہ ذیل کتبہ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ خود اس نے اپنی زندگی میں کمپوز کیا تھا مقبرہ پر کندہ ہے جو اس کی زندگی کے فلسفے کو واضح کرتا ہے۔

بر مزار ما غریباں
نہ چراغ نہ گلے
نہ پر پروانہ سوزد
نہ صدائے بلبل

چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہوگئے
کچھ نہ کچھ گور غریباں کا بھی ساماں ہوگئے

مندرجہ بالا اشعار سے نور جہاں کی اٹھارہ برس کی بیوگی، گوشہ نشینی کی زندگی اور رنج وغم کی نہ صرف عکاسی ہوتی ہے بلکہ اقتدار کے ایام سے خاموشی کے ساتھ کنارہ کشی کی طرف بھی نشاندہی ہوتی ہے۔ اقتدار اور شان وشوکت اس کی جوانی اور خوبصورتی کی طرح ایک بار پھر دھوکا اور عارضی ثابت ہوئی۔ یہ زندگی فانی ہے اور وہ قدرت کے اس قانون سے جدا نہیں تھی۔ لیکن وہ اس معاملے میں عظیم تھی کہ اس نے پورے یقین اور صبر کے ساتھ اس حقیقت کو قبول کیا۔

بہر حال وہ آج بھی کروڑوں لوگوں کے دلوں میں ایک عظیم ملکہ کی طرح زندہ جاوید ہے اور اس حقیقت کو اس نے ثابت کردیا کہ وہ اپنے عہد کی نہ صرف ایک غیر معمولی حسین وجمیل، دلکش شخصیت کی ملکہ تھی بلکہ وہ ایک عظیم شاعرہ اور اعلیٰ درجہ کی سیاسی وفوجی بصیرت کی خاتون بھی تھی۔

☆☆☆

حوالہ جات

1۔ اقبال نامہ کا مصنف رقم طراز ہے کہ اس نے بہت جلد ایک قاصد شہریار کے پاس روانہ کیا کہ جنگ کی تیاری کرے اور آصف خان جو شاہجہاں کا معاون ہے گرفتار کرلے لیکن آصف خان بہت ہی محتاط تھا اور نور جہاں کے ذریعہ بلائی گئی میٹنگ پر روک لگادی۔ اقبال نامہ 294 کامگار 694

2۔ ایلیٹ (ج6) 434 کامگار 484

3۔ ایلیٹ ایضاً

4۔ کامگار 484

5۔ کامگار 484

6۔ ایلیٹ (ج6) 434، کامگار 485

7۔ ایضاً

8۔ ایلیٹ (ج6) 434، کامگار۔ 484

9۔ ایضاً

10۔ ایضاً، کامگار 87-486

11۔ ایضاً، کامگار 434

12۔ ایلیٹ (ج6) 434 کامگار 691۔ کامگار حسینی کا کہنا ہے کہ 25 جمادی 1037ھ کو بھی شہزادوں کو قتل کردیا گیا۔

13۔ اقبال 267، ایلیٹ (ج6) 435 کامگار 483

14۔ اقبال 267، ایلیٹ (ج6) 436 کامگار 485

15۔ ایضاً کامگار 484

16۔ بنی پرشاد 169

17۔ جہانگیر کی مختلف بیویوں سے پیدہ شدہ اولاد کا ذکر مندرجہ ذیل ہے:
پہلی بیوی مان بائی سے پہلی اولاد سلطان النساء بیگم نامی لڑکی تھی جو 26 /اپریل 1585 کو پیدا ہوئی۔
مان بائی سے دوسری اولاد سلطان خسرو نامی لڑکا تھا جو 16 /اگست 1587 کو پیدا ہوا۔
شہزادہ پرویز جو اکتوبر 1589 کو عزیز کوکہ کے چچا زاد بھائی خواجہ حسن کی لڑکی صاحب جمال سے پیدا ہوا۔
بہار بانو بیگم ستمبر 1590 میں راجا کیسوداس راٹھور کی لڑکی رانی کرمشی سے پیدا ہوئی۔
خرم کی پیدائش 5 /جنوری 1592 کو راجہ ادے سنگھ عرف موٹا راجہ کی لڑکی (جودھ بائی جوجگت گوسینی کے نام سے مشہور ہوئی) کے بطن سے ہوئی۔
جہاندار اور شہریار 1605 میں باندیوں سے پیدا ہوئے۔
جہانگیر نے کچھ اور بھی شادیاں کیں لیکن تاریخ کے صفحات پر ان سے اولاد ہوئی کہ نہیں اس کا ریکارڈ نہیں ہے۔

18۔ لاہوری (ج 2) 475 نور جہاں کی موت کے منظر اور اس کے آخری پیغام کے لیے ضمیمہ ملاحظہ فرمائیں۔

☆☆☆

باب نہم

نور جہاں کی سماجی اور ثقافتی خدمات

"وہ سبھوں کے لیے رحم دل تھی جس کسی نے بھی اپنے آپ کو اس کی حفاظت میں ڈال دیا اس نے ظلم وستم سے محفوظ رکھا۔" —— اقبال نامہ

مغلیہ خاندان کی مشہور ومعروف خواتین میں نور جہاں بیگم اپنے اعلیٰ طریق وطرز، تہذیب وتمدن اور لطیف ذوق کے لیے ایک الگ مقام رکھتی ہے۔ اس نے اپنے دور کے سماجی نظام میں انقلابی تبدیلی لائی اور اپنے وقت کی ثقافتی ترقی میں نمایاں خدمات انجام دی۔

لباس اور سجاوٹ

ڈاکٹر بنی پرشاد رقم طراز ہیں:

اس نے لباس اور سجاوٹ کے میدان میں انقلابی (1) تبدیلی لائی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے کئی نئے طرز کی شروعات کی۔ فرش چاندنی (2) (کمرے میں قالین کی جگہ اجلی چادر بچھانا) کی موجد کہی جاتی ہے۔ ذخیرۃ القوانین کے مصنف شیخ فرید بھکاری فرماتے ہیں کہ اس نے پیشو، اپنچولیہ، اوڑھنی، بادلہ وغیرہ کو نئے طرز پر ایجاد کیا۔ ان میں سے ہر ایک کی

قیمت چالیس (3) روپے تھی۔ اس نے دودامی (پوشاک کے لیے) نئے قسم کی قالین۔ بروکید، کنارہ، وغیرہ کی شروعات کی۔ خافی خان (4) کے مطابق شادی کے موقع پر نوشہ کے زیب تن کے لیے نئے قسم کا لباس نور محل کا ایجاد کیا۔ جو صرف 25 روپے میں دستیاب تھا۔

کمودی کا کہنا ہے:

''خواتین کے لیے ایک الگ قسم کے لباس جو ''جاموئی خاتون پوشاک'' کے نام سے جانا جاتا تھا، اس کی ایک اہم تخلیق تھی۔ یہ چست کرتی جو ٹخنے تک لٹکتا تھا اور آستین چست ہوتی تھی (5) اور چھاتی تک محدود رہتی تھی۔ سامنے سے سجا جھالر ہوتا تھا اور چھوٹے انگیہ کے ساتھ پہنا جاتا تھا اور نچلے حصے میں چست پائجامہ پہنا جاتا تھا'' (6)

پائجامہ کے متعلق ڈیلا ویل لکھتا ہے کہ:

''پائجامہ کے لیے جو کپڑے استعمال ہوتے تھے وہ سلک کے ہوتے تھے یا پھر رنگین پھولوں والے پرنٹ چھاپے یا دھاریدار (7) ہوتے تھے۔''

ریکھا مشرا (8) فرماتی ہیں کہ چست پتلے کپڑے نقاب کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ ناچنے والی لڑکیاں زیادہ تر اسی طرح کا لباس پہنتی تھیں لیکن اس کی کرتی لمبی ہوتی تھی اور یہ عمدہ قسم کے کپڑے جو سرونج مسلن کے ہوتے تھے بہت ہی باریک اور نرم ہوتے تھے۔

نور جہاں کے حسن سجاوٹ کے متعلق خافی خان ایک اہم واقعہ کے متعلق رقم طراز ہیں:

''ایک بار ہاتھیوں کا جھنڈ غیر ملکی کپڑے جو سنہرے اور چمکتے ہوئے کشیدہ کاری سے پُر تھے سجا ہوا تھا۔ جہانگیر نے خانساماں سے اس سنہرے کپڑے کی قیمت پوچھی۔ اس نے جواب دیا کہ اسے محل کے اندر سے حاصل ہوا ہے۔ جہانگیر نے نور جہاں سے اس شاندار سجاوٹ کے خرچ کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ مختلف (9) امرا سے جو تھیلے آئے تھے اس سے تیار کیا گیا ہے۔

اس نے شاہی استعمال (10) کے لیے کچھ مشروبات بھی تیار کیا۔ اس سے اس کے

عمدہ اعلیٰ ذوق کا علم ہوتا ہے۔ خافی خان لکھتا ہے کہ اس نے اپنے عہد میں جو طرز فیشن شروع کیا وہ آج تک سماج میں (11) موجود ہے۔ عملی طور پر وہ اپنے عہد کی غیر متضاد موجد (12) بن گئی۔ اس نے عام لوگوں کے لیے کئی طرح کے عطر (13) تیار کیا۔

اس طرح یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ سجاوٹ کے ہنر میں کافی ماہر تھی۔

ابوالفضل رقم طراز ہیں:

''اسے کمرے کی سجاوٹ (14) میں خاص دلچسپی تھی۔''

اس نے فطری طور پر سجاوٹ کی خوبصورتی، آرائش اور زیبائش کے طرز کو غیر معمولی کشیدہ کاری اور کنارہ کشی سے ایک نئی پہچان دی۔

ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے صحیح فرمایا ہے:

''وہ خوب صورتی کی بہت بڑی ملکہ تھی اور مغل دربار کے تزک واحتشام کے اضافہ میں اس نے نمایاں خدمات انجام (15) دی۔''

مغل حرم کی خواتین کو زیور سے بہت لگاؤ تھا۔ زیادہ سے زیادہ حسین اور پرکشش دیکھنے کے لیے وہ اپنے آپ کو مختلف قسم کے زیورات سے سنوارتی تھیں۔

نور جہاں بیگم پہلی خاتون تھی جس نے نئے طرز اور دلکش زیورات کی ایجاد کی۔ خافی خان (16) لکھتا ہے کہ پہلے کے زیور بہت ہی بھاری اور بدنما ہوتے تھے لیکن اس نے زیورات کے نئے نئے طرز کی شروعات کی جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں استعمال میں ہیں۔

بخشش وسخاوت

نور جہاں اعلیٰ درجہ کی سخی خاتون تھی (17)۔ جس کسی نے بھی اس سے تعاون اور پناہ کی درخواست کی اس نے بڑے سخاوت کے ساتھ مدد وتعاون کیا۔ وہ سبھوں کے لیے (18) رحم دل تھی۔ جس کسی نے بھی اپنے کو اس کی پناہ میں ڈال دیا اس نے اس کو ظلم وستم (19) سے محفوظ کیا۔ وہ غریب، یتیم اور بیکس لڑکیوں کی بہت بڑی مددگار تھی۔ اپنے ذاتی پیسے سے اس نے غریب و بے کس لڑکیوں کی شادی کروائی۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں کم از کم پانچ سو یتیم

لڑکیوں کی شادی کروائی اور ہزاروں اس کی سخاوت (20) کے ممنون ومشکور تھے۔

شاہنواز خان کہتے ہیں:

''اس نے دربار میں بارہ برس سے چالیس برس تک کے لڑکوں کو ملازمت میں رکھا تھا اور ان کی شادی احدیوں اور خدمت گار سے کرائی۔ علاوہ ازیں خافی خان کے مطابق اس نے ہندوستان میں لامحدود ذائقہ دار کھانے کی شروعات کی اور اس کے استعمال کو وسیع طور پر پھیلایا۔ وہ اتنی سخی تھی کہ ہر ایک سال لامحدود لوگ اس کی معاشی تعاون سے حج کے لیے مکہ مدینہ اور زیارت کے لیے کربلا اور نجف جاتے تھے، ہزاروں یتیم لڑکیاں اس کی معاشی مدد سے نجی روزگار شروع کر کے خود کفیل (21) ہوئیں۔''

ضیافت:

خافی خان فرماتے ہیں کہ اس نے مطبخی صنعت (22) کی ترقی میں نمایاں کردار نبھایا اور ضیافت کے انتظام کے نئے نئے طریقے اپنائے۔ اس نے ایک بڑی ضیافت کا انتظام ایک بڑے تالاب کی بیچ میں بنے ہوئے مکان میں کیا۔ شہنشاہ جہانگیر نے خود اس کے ضیافت کے عمدہ انتظام کے متعلق یوں تحریر کیا ہے:

''لالٹین اور چراغ پانی کے چاروں طرف روشن کیے گئے اور اس طرح کی روشنی کا انتظام پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ چراغوں کی روشنی نے پانی میں اس طرح عکاسی کی جیسے لگتا تھا کہ پانی کی پوری سطح آگ (23) سے روشن ہے۔

اسی طرح اس نے خرم کی دکن فتح کی خوشی میں اسے شاہی خلعت اور قیمتی تحائف سے نوازا۔ علاوہ ازیں نور سرائے میں اپنے مکان کی تعمیر کے بعد ایک شاندار ضیافت دی اور جہانگیر کو نادر تحفے پیش کیے۔ اس ضیافت کے اخراجات کے متعلق جہانگیر اپنی یادداشت میں رقمطراز ہے:

''جمعرات کے دن آخری اوقات کے مطابق 14 رشعبان میں نے نور جہاں کے محل کے ایک کمرے میں ایک نشست بلائی جو ایک بڑے تالاب

کے وسط میں واقع تھا اور وہاں درباریوں اور امرا کے ضیافت کا انتظام بیگم کے ذریعہ کیا گیا۔ میں نے حکم دیا کہ امرا اور درباریوں کے ان کے عہدے کے مطابق شراب و دیگر مشروب مہیا کرایا جائے۔ بہت سارے لوگوں نے اور بھی زیادہ شراب و دیگر نشہ آور مشروب کی مانگ کی لیکن میں نے یہ شرط رکھ دی جو کوئی بھی شراب نوشی کرتا ہے اسے اپنے عہدے کے مطابق اپنی نشست پر بیٹھنا ہوگا۔ لوگوں کو تر و تازہ رکھنے کے لیے سبھی طرح کے بھنے ہوئے گوشت اور فرحتِ قلب والے پھل و میوہ جات پیش کیے گئے۔ یہ ایک شاندار (24) تقریب تھی۔"

1621 میں جہانگیر جب شاہی خواتین کے ساتھ نور افشاں باغ تشریف لے گئے تو نور جہاں نے اس کے استقبال میں اعلیٰ درجہ کی ضیافت دی اور بہت بڑے پیمانے پر تحفے تحائف نذر کیے۔(25)

علاوہ ازیں 1621 میں ہی جہانگیر کو جب علالت سے افاقہ ملا تو نور جہاں نے اپنے وکیل کو ایک شاندار ضیافت کا انتظام کرنے کی ہدایت دی اور ذاتی طور پر اس تقریب کے انتظام اور مقام کا چناؤ اور اس کی سجاوٹ و ضیافت (26) میں دلچسپی لی۔

تجارت

تجارت کے شعبے میں بھی نور جہاں کی خدمات کافی نمایاں ہیں۔ اس نے تجارتی جہازوں کا ایک بیڑا بنا رکھا تھا جو غیر ملکوں (27) سے تجارت کے کام میں استعمال ہوتا تھا۔ اس نے انگریزوں (28) سے تجارتی رشتے قائم کیے۔ گوا اور دامن دیو (29) کے پرتگالیوں کے ساتھ بھی تجارتی رشتے قائم ہوئے۔

وہ بھوٹان، بنگال اور سکندر آباد سے آئے ہوئے تاجروں سے محصول لیتی تھی۔ پیلزرٹ اس کی تصدیق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ ندی کے دوسرے کنارے پر سکندر آباد کا ایک شہر بسایا گیا لیکن بسنے والے زیادہ تر بنیا تھے۔ ساتھ ہی ساتھ بنگال بھوٹان تک جاتے تھے۔

سوتی کپڑے بنگال سے، کچا سلک پٹنہ سے اور محل میں زنگار، ادرک اور ہزاروں قسم کی دوائیاں وغیرہ دستیاب تھیں یہاں پر نور جہاں بیگم نے ایک سرائے بنوایا۔ سبھی سامانوں پر چنگی لیا۔ اس سے قبل ان سامانوں کو جہازوں پر لادا جائے اور اس کے ساتھ مختلف قسم کے اجناس، مکھن اور دوسری چیزیں جو کہ مشرق (30) میں پیدا ہوتی تھیں باہر سے منگائی جاتی ہیں۔

شکار

نور جہاں بیگم واحد خاتون تھی جس نے شکار و تفریح میں نمایاں حصہ لیا۔ وہ ایک ماہر شکاری تھی اور شکار میں بہت دلچسپی لیتی تھی۔ 1616 میں اس نے اجمیر صوبہ میں اپنی بندوق سے قرشہ (31) نامی چڑیا کا شکار کیا جو اپنی خوبصورتی قد و رنگ کے لحاظ سے کبھی نہیں دیکھی گئی۔

اس طرح 1617 میں جب جہانگیر حرم کی خواتین کے ساتھ شکار کے لیے گئے ہوئے تھے تو ہرکاروں کے ذریعہ چار شیر دیکھے گئے۔ نور جہاں نے چھ گولیوں سے چار شیر کو مار گرایا۔ اس کامیابی سے جہانگیر نے انعام کے طور پر ہیرے کی پہنچی جس کی قیمت ایک لاکھ روپیہ تھی اور ایک ہزار اشرفی (32) نور جہاں کو پیش کیا۔ ابوالفضل کا کہنا ہے کہ اس لمحہ کے نزاکت کے موقع پر کسی درباری نے یہ الفاظ کہا:

نورجہاں گرچہ بصورت زن است
درصف مرداں زن شیر افگن است (33)

جہانگیر نے شکار کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے:

''اب تک اس طرح کا شکار نہیں دیکھا گیا کہ ہاتھی کے اوپر ہودج سے چھ گولیاں داغی گئیں جس میں کوئی بھی خالی نہیں گئی اور جانور کو اچھلنے اور بھاگنے (34) کا کوئی موقع نہیں ملا۔''

1619 میں جب جہانگیر متھرا میں قیام پذیر تھے تو نزدیک کے علاقے میں ایک شیر کی موجودگی کی اطلاع ملی۔ چونکہ ان دنوں جہانگیر نے کسی بھی جانور کو نہ مارنے کی عہد کر رکھا تھا اس لیے اس نے شیر کو مارنے کے لیے نور جہاں سے کہا۔ اس نے شیر کو ایک ہی گولی میں مار

گرایا۔(35)

چہار گلشن کے مصنف چتر من لکھتے ہیں کہ اس نے نو شیر مارا اور جہانگیر نے قیمتی موتی انعام(36) میں تقسیم کیا۔

کامی شیرازی فرماتے ہیں کہ اس نے ایک نکچیر بھی اپنی بندوق سے مارا اور جہانگیر اس سے اتنا خوش ہوا کہ اسے کچھ بھی مانگنے(37) کے لیے کہا۔

اس طرح یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ نور جہاں بیگم واحد خاتون تھی جس نے دوسری خواتین کو شکار وتفریح کی ترغیب دی۔

خلاصہ یہ ہے کہ نور جہاں نے شکار وتفریح، نظم ونسق، پوشاک وسجاوٹ اور بخشش و سخاوت کی زندہ جاوید مثال پیش کی۔

☆☆☆

حوالہ جات

1۔ بنی پرشاد 160

2۔ جمیلہ برج بھوشن دی کسٹیومس اینڈ ٹیکسٹائلیس آف انڈیا 1985، 132

3۔ شیخ فرید بھکاری ذخیرۃ القوانین نسخہ نمبر 3274 (الف 152)

4۔ خافی خان (ج 1) 26

5۔ ایضاً شاہنواز (ج 1) 132

6۔ کمودی 1002

7۔ ڈیلاویل 44

8۔ ریکھا مشرا 122

9۔ خافی خان (ج 1) 70-269

10۔ ایضاً

11۔ ایضاً

12۔ ڈاکٹر بی این اوجھا۔ 37

13۔ شاہنواز (ج 1) 131، ذخیرۃ الف (51)، ایشوری پرشاد 452

14۔ ابوالفضل (بلاک مین) 574

15۔ ایشوری پرشاد 572

16۔ خافی خان (ج 1) 269

17۔ شاہنواز (2) 1077

18۔ مثال کے طور پر شاہجہاں کی ترغیب پر جگت سنگھ نے انتشار اور افراتفری پھیلائی۔ اس نے کسانوں اور کمزوروں کو لوٹا اور تخریب پیدا کی لیکن جب اسے صادق خان کے ذریعہ شکست دی گئی تو اس نے اپنی حفاظت کے لیے نور جہاں سے درخواست کی۔ اس نے نہ صرف اپنی شرمندگی کا اظہار کیا بلکہ اس کے ذریعہ پناہ کی عرضی دی۔ نور جہاں کو خوش کرنے کے لیے جہانگیر نے جگت سنگھ کی خطاؤں کو درگذر کر دیا۔ توزک۔(ج2)269

19۔ ایلیٹ(ج6)1405 قبال57

20۔ اقبال329

21۔ شاہنواز11

22۔ خافی خان(ج1)1079

23۔ توزک(آر اینڈ بی)395

24۔ ایضاً

25۔ ایضاً200۔199

26۔ ایضاً214

27۔ ڈی پنٹ کامرسیل پالیسی آف دی گریٹ مغلس1930۔165

28۔ رو(ج2)434

29۔ انگلش فیکریز ان انڈیا21۔1618

30۔ پلیزرٹ4

31۔ توزک(آر اینڈ بی)349

32۔ ایضاً375

33۔ آئین(بلاک میں)592 مفتاح214 خلاصہ449

34۔ توزک(آر اینڈ بی)(ج1)375

35۔ ایضاً(ج2)105

36۔ چتر من چہار گلشن(156)

37۔ کامی شیرازی فتح نامۂ نور جہاں بیگم۔ سیمینار لائبریری ہسٹری ڈیپارٹمنٹ اے، ایم،
یو۔ روٹوگراف نمبر 21،ص 32۔31

☆☆☆

باب دہم

ادب موسیقی، نقّاشی، تعمیرات اور باغبانی کے شعبے میں نور جہاں کی خدمات

''بذلہ سنجی وسخن گوئی وشعرفہمی وحاضر جوابی ازنسائے زمان ممتاز بود۔''
میراۃ الخیال

ریکھا مشرا فرماتی ہیں:

''مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ازل سے سماجی ڈھانچہ کی اہم رکن رہی ہیں، زندگی کے مختلف شعبے میں انسانی قدروں کے ہمہ گیر ارتقاو ترقی میں اہم کردار نبھایا ہے۔ کسی بھی عہد کے ثقافتی وادبی ترقی کو جاننے کے لیے عورتوں کا مقام ایک آلہ پیمائش ہوتا ہے۔(1)

مغلیہ تاریخ کے مطالعہ سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ مغل حرم کی خواتین نے ثقافتی میدان میں اپنی خدمات سے نمایاں مقام بنایا۔ انھوں نے ملک کی ثقافتی ترقی میں اہم خدمات انجام دیا۔ مغلیہ خواتین میں گُل بدن بیگم سے لے کر زیب النسا تک جتنی بھی خواتین ہوئیں ان

میں نور جہاں بیگم ادبی شعبے میں اپنی خدمات کے لیے کافی مشہور ہیں۔

ڈاکٹر بنی پرشاد کہتے ہیں:

''قدرت نے اسے حاضر جوابی، ذہانت، ہمہ گیر خوبی بخشی تھی۔ تعلیم نے قدرت کے ان عطیات کو اور بھی زیادہ نکھار دیا تھا۔ فارسی ادب میں کافی قابل تھیں۔ ان کے اشعار سے جہانگیر کے دل و دماغ پر اپنا رسوخ قائم کرنے میں کافی مدد ملی۔(2)''

ڈاکٹر پی این اوجھا رقم طراز ہیں:

''وہ انوکھی ذہانت اور خداداد اوصاف کی خاتون تھی۔ اس کی ادبی قابلیت وفضلیت نے اسے نہایت ہی عقلمند اور ذہین بنا دیا تھا جس سے اس کو اپنے شوہر کے وسیع مملکت کے امور سلطنت کو کامیابی سے چلانے میں کافی مدد ملی''(3)

اعتماد الدولہ کی لڑکی ہونے کے ناطے جہاں اسے ورثہ میں علم و ادب سے لگاؤ تھا وہاں دوسری طرف ایک عالم کامل بادشاہ کی بیوی ہونے کی وجہ سے اس نے ادبی ترقی میں خاصی دلچسپی لی۔ میراۃ الخیال کے مصنف کا کہنا ہے:

''بذلہ سنجی وسخن گوئی وشعرفہمی وحاضر جوابی ازنسائے زمان ممتاز بود(4)''

تاریخ کے صفحات پر وہ ایک ذہین اور مہذب خاتون کی حیثیت سے جانی جاتی ہیں۔ وہ بہت ہی اعلیٰ پائے کے اشعار(5) کہتی تھی خاص طور پر وہ برمحل شاعری(6) میں ماہر تھی۔ ابوالفضل فرماتے ہیں:

''وہ سلطان صالحہ بیگم اور زیب النسا کی طرح فارسی اشعار لکھتی تھیں اور اس کا تخلص ''مخفی''(7) تھا''

ٹی۔ ڈبلو بیل کا کہنا ہے:

''وہ اکثر بیشتر راجہ مان سنگھ کی بہن اور جہانگیر کی بیوی جو دھ بائی(8) سے شعر وشاعری پر بحث ومباحثہ کرتی تھیں۔''

نور جہاں کے بہت سارے اشعار آج بھی موجود ہیں جس کا ذکر ضمیمہ میں کیا گیا ہے۔ تجزیہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فارسی زبان وشاعری اور حاضر جوابی (9) میں اس کی گہری دلچسپی تھی۔

وہ شاعروں اور ادبی شخصیت کی بہت بڑی سرپرست تھیں۔ شیر خان لودھی فرماتے ہیں:

''نور جہاں کی بہن منیزا بیگم کے شوہر قاسم خان کو نور جہاں کی سرپرستی کی بنا پر ایک شاعر کی حیثیت سے اعزاز بخشا گیا۔ قاسم خان اس کے پسندیدہ شاعر تھے جس کے ساتھ وہ مناظرہ کیا کرتی تھیں۔ ان کے گھر میں اکثر و بیشتر شاعرانہ نشست ہوا کرتی تھی جن میں وہ خاص طور پر شریک ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ نور جہاں نے دوسرے شاعروں کو بھی اپنی سرپرستی (10) سے نوازا''

امینائی قزوینی رقم طراز ہیں:

''کلیم رکنہ کاشی جو فارسی کے بہت مشہور شاعر تھے نور جہاں کی سفارش (11) پر 24 ہزار سالانہ وظیفہ پاتے تھے۔''

مسلم ہیریٹیج آف سنسکرت لرننگ جلد اول کے مصنف جے بی چودھری فرماتے ہیں کہ سنسکرت کے ایک مشہور شاعر بناری مشرا کو نور جہاں کی طرف سے سرپرستی (12) حاصل ہوئی۔

نور جہاں مستقل مطالعہ کا شوق رکھتی تھی۔ اور اس کا ایک ذاتی کتب خانہ تھا۔ اور وہ برابر اپنے کتب خانہ (13) کے لیے کتابیں خریدتی تھی۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ اپنے کتب خانہ کے لیے اس نے مرزا کامران کا دیوان خریدا۔ آج بھی اس دیوان کا قلمی نسخہ پٹنہ کے خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری میں محفوظ ہے جس کے پہلے صفحہ پر یہ تحریر موجود ہے:

''تین مہر کی قیمت میں نواب مہر النسا بیگم (14) نے اسے خریدا۔''

عربی اور فارسی ادب میں بھی نور جہاں کو اچھی خاصی مہارت (15) حاصل تھی۔ اس نے اپنے شوہر کے حیات میں امور سلطنت کے فرائض کو جس طرح انجام دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ خاتون تھی بلکہ بہت ذہین بھی تھی۔ اور حکومت کے سبھی شعبے کے امور کو سمجھنے میں پوری طرح ماہر و لائق تھی۔

اس طرح یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس نے اپنے عہد کے ثقافتی معیار کو اپنی خدمات اور سرپرستی سے ترقی کی اونچی منزل پر پہنچا دیا۔

موسیقی

مغلیہ عہد کو صنعت وحرفت اور موسیقی کی ترقی کا عہد تصور کیا جاتا ہے۔ شاہی خاندان کی خواتین اس شعبے میں بھی خصوصی دلچسپی لیتی تھیں۔ ہسٹری آف انڈین میوزک کے مصنف رمیش جوشی رقمطراز ہیں:

''نور جہاں موسیقی کی بہت شوقین تھی۔ اس کی آواز بہت ہی شیریں اور خوش آہنگ تھی۔ جہانگیر کو خوش رکھنے کے لیے وہ اکثر وبیشتر گاتی تھی۔ وہ اکثر شام کے وقت اشعار کی تخلیق کرتی تھی اور اسے گاتی تھی۔ ہمیں اس کی شاعری میں زندگی کا فلسفہ ملتا ہے۔ وہ باغ میں تنہا گایا کرتی تھی۔ جہانگیر اس کی سریلی آواز کا گرویدہ تھا۔''(16)

رنگ آمیزی ونقاشی

رنگ آمیزی بھی مغلیہ خواتین کا ایک پسندیدہ ذوق تھا۔ نور جہاں نے بھی اپنے شوہر جہانگیر کے ہمراہ اس شعبہ میں کافی دلچسپی لی۔ ایک مصنف کے بقول ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس میں کافی ماہر تھی لیکن اس کے ہاتھ کی کوئی نقاشی دستیاب نہیں ہے۔(17)

تعمیرات

دوسری مغلیہ خواتین کی طرح نور جہاں نے بھی اپنے عہد میں مختلف عمارات کی تعمیر میں کافی دلچسپی لی۔ اپنے دور میں مختلف عمارات، مقبرے سرائے وغیرہ بنوانے کے سبب وہ کافی مشہور ہوئی۔ شعبہ فن تعمیر میں نور جہاں کی دلچسپی کے متعلق پیلزرٹ لکھتا ہے:

''اس درمیان اس نے بہت ہی قیمتی عمارت کی تعمیر کرائی۔ سیاحوں اور

سوداگروں کے لیے اس نے سرائے اور پناہ گاہ کی تعمیر کرائی۔ اس کے علاوہ باغ وغیرہ بنوائے اور اس طرح کسی نے قبل اپنے آپ کو زندہ جاوید رکھنے کے لیے ایسا نہیں کیا۔(18)''

اس نے کئی سرائے بنوائے۔ شہنشاہ جہانگیر نے خود اپنی سوانح حیات تو زک جہانگیری میں نور جہاں کے ذریعہ بنوائے گئے سرائے خصوصاً ''نور سرائے'' کا ذکر کیا ہے، اس کی تکمیل پر نور جہاں نے ایک شاندار ضیافت کا انتظام کیا اور جہانگیر(19) کو تحفے تحائف پیش کیے۔

اس سرائے کے متعلق پیٹر منڈی لکھتا ہے:

''نور جہاں کا تعمیر کردہ سرائے بہت ہی عمدہ تھا اس میں پانچ ہزار گھوڑوں کے کھڑے ہونے کا انتظام تھا اور بہت آسانی سے دوسو سے تین سو آدمی(20) قیام کر سکتے تھے۔''

پنجاب میں نور جہاں کی سرائے کے متعلق جعفر لکھتا ہے:

''یہ اپنے فن تعمیر کے لحاظ سے کافی مشہور تھا''(21)

اس کے علاوہ اس نے دیگر عمارتوں کی بھی تعمیر کرائی۔ اپنے والد اعتمادالدولہ کی یاد میں اس نے جو مقبرہ بنوایا وہ فن تعمیر کی تاریخ میں ایک نئے دور کی شروعات تھی۔ اس کی تعمیر 1628 میں تکمیل ہوئی۔ جمنا ندی کے بائیں کنارے ایک باغ میں جو اونچے چہار دیواری سے گھیر کر بنایا گیا تھا، وسط میں ایک اونچے چبوترے پر یہ مقبرہ بنا ہوا ہے جو ہر طرف سے 169 سکوائر فٹ ہے۔ یہ دو منزلہ اونچا ہے اور ہر ایک زاویے پر ایک جو کہ آٹھ منزلہ ہے کھلے ہوئے شامیانہ(22) سے گھیرا ہوا ہے۔ اور اس کی پچی کاری بہت خوشنما ہے۔ یہ مقبرہ پوری طرح سے اجلے سنگ مرمر کا بنا ہے اور اس کی پچی کاری پتھر ادورا کی ہے اور بڑے سلیقے کے ساتھ بنا ہوا ہے۔ پرسی براؤن رقمطراز ہے:

عمارت میں تبدیلی کے انداز کو چھوڑ کر یہ چھوٹا لیکن خوبصورت مقبرہ فن تعمیر کے ایک نئے شاہکار کی شروعات ہے۔ بہت ہی خوبصورت انداز میں اسے بنوایا گیا ہے۔ اس کی تکمیل(23) بہت ہی مسحور کن ہے۔

فن تعمیر کا دوسرا نمونہ شاہ درہ میں جہانگیر کے مقبرہ میں دکھائی دیتا ہے جو لاہور سے چھ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے اور جسے نور جہاں نے بنوایا۔ یہ مقبرہ سترا یکڑ زمین میں چاروں طرف سے چہار دیواری کے اندر وسط میں مقیم ہے اور اجلے سنگ مرمر کے ذریعہ پترا دورا پچی کاری سے سنوارا گیا ہے۔(24)

''نور جہاں نے 1623 میں کشمیر میں پتھر کی مسجد(25) بنوائی اور یہ کشمیر کے بھورے چونے کے پتھر سے بنوائی گئی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ نور جہاں پہلی ملکہ تھی جس نے فن تعمیر میں پترا دورا کی شروعات(26) کر کے ایک نئے عہد کا آغاز کیا۔

باغ

مغل حرم کی دوسری خواتین کی طرح نور جہاں نے بھی باغ لگوانے میں اہم دلچسپی لی۔ اسٹوورٹ کے مطابق نور جہاں کو بھی یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے نہ صرف باغ(27) لگوائے بلکہ لوگوں کو اس کی ترغیب بھی دی۔ نور جہاں کے ذریعہ مندرجہ ذیل باغ لگوائے گئے۔ اور اس نے اس کی خوبصورتی میں ذاتی طور پر دلچسپی لی۔

آرام باغ

یہ جمنا ندی کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ گرچہ اسے پہلے مغل بادشاہ بابر نے بنوایا اور جہانگیر کے عہد میں یہ شاہی باغ بن گیا۔ لیکن نور جہاں بیگم نے مختلف رنگوں کے گلاب اور نرگس کے پھولوں کے ذریعہ اس کی خوبصورتی میں کافی اضافہ کیا۔ اس باغ کو نور جہاں باغ(28) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

نور باغ

یہ دوسرا باغ ہے جسے نور جہاں نے جھیلم ندی(29) کے بائیں کنارے پر لگوایا۔ نور جہاں کے وکیل کے ذریعہ نور سرائے میں ایک الگ باغ لگوایا گیا۔ اس کی تکمیل پر

نور جہاں نے ایک بڑی ضیافت کا اہتمام کیا اور جہانگیر کو مختلف تحفے (30) پیش کیے۔
پیٹر منڈی کے مطابق نور جہاں نے آگرہ میں موتی باغ (31) لگوایا۔

شاہ درہ باغ

یہ باغ پہلے دلکش باغ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ راوی ندی کے کنارے لاہور سے چھ میل کی دوری پر واقع ہے۔ آج بھی بکھرے ہوئے مختلف پیڑ، پودوں اور پانی کے ٹوٹے پھوٹے فوارے اور اونچی چہار دیواری میں اس کی پرانی خوبصورتی کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ جہانگیر اس باغ میں مدفون (32) ہے۔

نور جہاں نے اپنے باپ اعتماد الدولہ کے مقبرہ کے چاروں طرف خوبصورت باغ لگوائے۔ مقبرہ کے باغات (33) میں اس باغ کا شمار مغلیہ دور کے سب سے اہم باغات میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کشمیر کی خوبصورتی کے اضافہ کرنے میں نور جہاں نے اپنے شوہر جہانگیر کی مختلف باغات کی تعمیر میں کافی تعاون کیا۔

اچھابل باغ

نور جہاں کے خوبصورت آرام گاہ میں یہ کافی اہم ہے۔ یہ بیگم آباد کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے عہد (34) میں مغل شامیانہ پر مشتمل ایک تعجب خیز آرام گاہ بن گیا ہے۔ یہ کشمیر میں اننت باغ سے چھ میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔

برنیر جس نے اس باغ کو دیکھا۔ رقمطراز ہے:

> '' باغ بہت خوب صورت ہے۔ پھلوں جیسے سیب۔ بیر، کوٹ چیری وغیرہ کے درختوں سے بھر پور ہے۔ مختلف قسم کے فوارے اور مچھلی کے تالاب ہیں اور بہت ہی خوبصورت آبشار ہے جس سے مختلف قسم کے رنگ برنگے جھرنے جو تعداد میں تیس اور چالیس ہیں ایک انوکھی خوبصورتی کا اضافہ کرتے ہیں۔ خاص طور سے رات کے وقت دیواروں میں بے شمار چراغ جس کے عکس

سے ایسا لگتا ہے کہ پانی میں روشنی کی چادر (35) بچھی ہوئی ہے کافی حسین لگتا ہے۔"

ویری ناگ باغ

یہ جہلم ندی کے کنارے 19 میل کی دوری پر واقع ہے۔نور جہاں کے نام پر اس کا نام نور جہاں کا ویری ناگ باغ (36) رکھا گیا۔نور جہاں اس باغ کو دوسری سبھی جگہوں سے زیادہ پسند (37) کرتی تھی ابھی بھی گرمی کے موسم (38) میں وقت گذارنا کافی سہانا لگتا ہے۔

1628 میں نور جہاں نے باغ بہار آرا (39) کی بنیاد ڈالی۔سدورخن نامی مقام پر ڈل جھیل کے مغربی کنارے پر یہ واقع ہے۔آج کل سرکار نے اسے پاگلوں کے آرام گاہ میں تبدیل کردیا ہے۔یہ باغ چبوتروں پر مشتمل ہے۔اور چبوتروں کے درمیان چہار چنار کے درخت اور وسط میں پتھر کے شامیانے ہیں (40)۔اس کی سیرابی سندھ نہر سے ہوتی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ نور جہاں نے اپنے عہد میں مختلف باغوں کی بنیاد ڈال کر اپنے لیے ایک لافانی نام پیدا کیا اور آنے والی نسل کو اس کی ترغیب دی۔

اس طرح اس کی ثقافتی خدمات خاص طور سے شعر و شاعری، فن تعمیر اور باغات کی تعمیر کے شعبے میں اس کی خدمات سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر کچھ دیر کے لیے اس کی شخصیت کے متعلق جو سیاسی تضاد ہے، اس سے ہٹ کر دیکھا جائے تو بے شک اس کی ادبی ثقافتی خدمات شہرت کے وسیع و عریض افق پر لافانی طور پر موجود ہے۔

☆☆☆

حوالہ جات

1۔ ریکھا 1

2۔ بینی پرشاد 169

3۔ پی این اوجھا 170

4۔ شیر خاں لودی۔ میراۃ الخیال پٹنہ یونیورسٹی لائبریری قلمی نسخہ نمبر 1516 صفحہ 128

5۔ اقبال 61، خافی خان (ج1) 269

6۔ شاہنواز (ج1) 134 (ج2)، اقبال 73، کلمات 43

7۔ آئین (ج1) 544

8۔ مفتاح 314

9۔ نور جہاں کے اشعار کے نمونے کے لیے ضمیمہ ملاحظہ فرمائیں۔

10۔ شہاب الدین عبدالرحمٰن بزم تیموریہ اعظم گڑھ 664

11۔ قازوینی (الف) 277

12۔ جے بی چودھری، مسلم پٹرونیج ان سنسکرت لرننگ (ج1) 77

13۔ اوجھا۔ 177

14۔ اوجھا 132

15۔ این این لا۔ پروموشن آف لرننگ ان انڈیا ڈیورنگ محمڈن رول 202

16۔ امیش جوشی۔ دی اسٹوری آف انڈین میوزک مانسر دور پرکاشن فرید آباد 1969 صفحہ 235-6

17۔ ریکھا 92

18۔ پیلزرٹ50
19۔ توزک (آر اینڈ بی) (ج2)192
20۔ پٹر منڈی۔ ٹریولیس ان یورپ اینڈ ایشیا (ج2)78
21۔ ایس ایم جعفر کلچرل اسپکٹس آف مسلم رول ان انڈیا۔ ادارہ ادبیات دہلی 1972 صفحہ 111
22۔ جیمس فرگسن۔ اے ہسٹری آف انڈین اینڈ اسٹیرن آرٹیکچر (ج2)305
23۔ پرسی براؤن انڈین 109 ۔
24۔ جیمس فرگسن (ج2)305

رنجیت سنگھ کے ہاتھوں اس مقبرے کو کافی نقصان ہوا کیونکہ اس نے اس کے قیمتی اشیا اپنے محل میں لگوانے کے لیے نکلوایا۔

25۔ آرکےلوجی ان انڈیا بلڈنگ ایجوکیشن ان انڈیا پبلیکشن نمبر 66 ہسٹری آف ایجوکیشن اینڈ ڈیپارٹمنٹ آف آرکےلوجی گورنمنٹ آف انڈیا پریس کلکتہ 1980 صفحہ 123
26۔ فلورن ٹیسٹائن (ٹس کنی میں فلورینس سے متعلق) پچی کاری جوسخت پتھر کے ہوتے ہیں جیسے جیسپر، اگیٹ وغیرہ۔
27۔ سی ایم دی اسٹورارٹ، گارڈن آف دی گریٹ مغلس، آر ایس پبلیشنگ ہاؤس ری پرنٹ 1972 صفحہ 127۔
28۔ توزک (آر اینڈ بی) (ج2)192
29۔ پنت 117
30۔ توزک (آر اینڈ بی) (ج2)191
31۔ پٹر منڈی
32۔ اسٹوورٹ130
33۔ ایضاً52
34۔ سلویہ کرو اور شیلا ہے ووڈ دی گارڈنس آف گریٹ مغل ان انڈیا 1081973 وکاس پبلیشنگ ہاؤس دہلی لنڈن۔

35۔ برنیئر ٹریولس ان مغل ایمپائر یورڈ آکسفورڈ 1916۔413

36۔ اسٹوورارٹ176

37۔ سلویا کرو96

38۔ اسٹوورارٹ187

39۔ سلویا کرو۔97

40۔ قازوینی بادشاہ نامہ ہسٹری ڈیپارٹمنٹ آف اے ایم۔یوحبیب گنج کلیکشن قلمی نسخہ نمبر 32,22ایف)278(بی)۔

☆☆☆

خلاصہ (Conclusion)

تاریخ شاہد ہے کہ نور جہاں کا خاندان اور اس کے اقربا ایران سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کا دادا محمد شریف صفوی بادشاہوں کے دربار میں ایک معزز مقام پر فائز تھا۔ محمد شریف نے اپنی ابتدائی زندگی کی شروعات خراسان کے بیگلر بیگی کی حیثیت سے شروع کی لیکن اس کی صلاحیت اور قابلیت سے متاثر ہو کر شاہ طہماسپ صفوی نے اصفہان کے دارالسلطنت کا وزیر مقرر کیا اور وہ اپنی موت یعنی A.H. 984 بمطابق 1577 تک اس اعلیٰ عہدے پر فائز رہا۔

خواجہ محمد شریف کو دو لڑکے تھے۔ خواجہ محمد طاہر اور خواجہ غیاث الدین محمد۔ محمد شریف کا خاندان ایران کے ایک دوسرے معزز خاندان آقا ملا دوات دار قازوینی سے بھی تعلق رکھتا تھا۔

محمد شریف کی موت سے اچانک اس کے خاندان کی خوش بختی پر شدید جھٹکا لگا۔ اس کا لڑکا غیاث بیگ غریبی اور پریشانی کے حالات میں گھر گیا اور ناگہانی حالات سے نکلنے اور اپنی قسمت آزمانے کے لیے اسے ہندوستان ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ لہٰذا 1577 میں غیاث بیگ اپنی حاملہ بیوی، دو لڑکے اور ایک لڑکی کے ہمراہ میر کارواں ملک مسعود کی نگرانی میں ایران سے ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوا۔ راستے میں غیاث بیگ راہزنی کا شکار ہو گیا۔ اس کی پریشانی اور تکلیف میں اس وقت اور بھی اضافہ ہو گیا جب اس کی بیوی نے سفر کے دوران قندھار میں 1577 میں ایک بچی کو جنم دیا جس کا نام مہر النسا رکھا گیا۔

غیاث بیگ کے ہندوستان پہنچنے پر ملک مسعود کے سفارش سے بادشاہ اکبر نے

شاہی دربار میں ملازمت میں رکھ لیا اور تین سو کے منصب دار کے عہدے پر فائز کیا۔ لیکن اپنی فطری صلاحیت اور صفات کی وجہ سے اس نے بہت جلد دربار میں اعزازی مقام حاصل کر لیا۔ اس طرح اپنے والدین کے زیر سایہ نور جہاں ایک جاذب نظر اور خوب صورت دوشیزہ کی شکل میں پروان چڑھی۔ سترہ سال کی عمر میں 1594 میں اکبر کے حکم کے مطابق علی قلی بیگ استجلو جو تاریخ کے صفحات پر شیر افگن کے نام سے مشہور ہے شادی کر دی گئی۔

1605 میں جب جہانگیر تخت نشیں ہوا تو اس نے شیر افگن کو بنگال کے بردوان میں ایک جاگیر عطا کی اور اس طرح وہ بردوان میں اپنی ازدواجی زندگی گذارنے لگا۔

1607 میں شیر افگن کی موت کے بعد شاہی فرمان کی تکمیل کے مطابق مہر النسا آگرہ لائی گئی اور رقیہ سلطان بیگم کی زیر نگرانی میں رکھی گئی۔ 1611 میں نوروز تہوار کے جشن کے موقع پر مہر النسا پر جہانگیر کی نظر پڑی۔ اس کی بے انتہا خوب صورتی اور جاذبی شخصیت نے بادشاہ جہانگیر کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ اس کا گرویدہ ہو گیا اور بالآخر 1611 میں اس سے شادی کر لی۔ ایک بیوی اور ملکہ کی حیثیت سے اس نے اپنی پرکشش شخصیت اور جذبۂ جاں نثاری سے جہانگیر کو اس قدر متاثر کیا کہ جہانگیر نے اسے اعزاز کے طور پر پہلے نور محل اور پھر بعد میں 1616 میں نور جہاں کے خطاب سے نوازا۔ چھ برس بعد اسے 1622 میں بادشاہ بیگم کے لقب سے سرفراز کیا۔ سکّے پر اس کے نام کھدوائے گئے۔ شہنشاہ کے ساتھ وہ جھروکہ پر بیٹھنے لگی۔ حکم اور فرمان جاری کرنے لگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے قبل کسی بھی مغلیہ خاتون کو اس طرح کے اعزاز و اکرام سے نہیں نوازا گیا۔

نور جہاں نے دربار اور حرم دونوں میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ اس نے جہانگیر کا پورا اعتماد حاصل کیا اور بادشاہ نے اس سے کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں رکھا۔ اس نے نہ صرف جہانگیر بلکہ مملکت پر بھی مثبت اثر و رسوخ ڈالا اور اپنے اثر و رسوخ کا بے جا استعمال نہیں کیا۔ اس نے ہمیشہ ایک وفادار اور عقیدت مند بیوی، وفادار دوست اور معاون کی طرح جہانگیر کی خدمت کی۔ جہانگیر نے جب اس سے صلاح مانگی تو اس نے صلاح ضرور دی لیکن آخری فیصلہ جہانگیر کی مرضی پر ہی چھوڑ دیا۔ ایک وفا شعار بیوی کی طرح وہ نہ صرف جہانگیر کی زندگی میں وفادار رہی بلکہ اس کی

موت کے بعد بھی اس کی جذبۂ وفاداری میں کمی نہیں آئی۔مملکت کی سیاست میں وہ جہانگیر کے شانہ بہ شانہ معاون بنی رہی۔ یہاں تک کہ مہابت خان کی یورش کے دوران اس نے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر جہانگیر کو مہابت خان کی قید سے آزاد کرایا۔

1627 میں جہانگیر کی موت پر اس نے اپنے چند معاونوں اور وفاداروں کے ہمراہ اس کی نعش کی حفاظت کی جب کہ اس کے زیادہ تر رشتہ دار مرحوم شہنشاہ کا ساتھ چھوڑنے میں جلد بازی کر رہے تھے۔اس نے جب تک مرحوم شہنشاہ کی لاہور کے نزدیک شاہ درہ میں تجہیز و تکفین کی آخری رسومات ادا نہ کی تب تک اسے نہ چھوڑا اور اپنے شوہر کی قبر پر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کرایا۔

اپنے شوہر کی موت کے بعد اس نے عوامی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور بیوگی کے پاکیزہ اصول کو اپناتے ہوئے ہر طرح کی تقریب سے علاحدگی اختیار کر لی۔سفید لباس پہننا شروع کیا اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی۔اس کے پرانے اقتدار و اعزازات یاد ماضی بن گئے۔ شاہ جہاں نے دو لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ دینا منظور کر لیا۔اس کی قسمت اس کے مقابلے میں کتنی ناپائیدار ثابت ہوئی۔اس کی اس تنہائی کی زندگی میں اس کی بیٹی باہو بیگم اس کی واحد مداوا تھی۔آخر کار اپنے شوہر کی موت کے بعد 18 سال تک زندہ رہنے کے بعد 69 برس کی عمر میں 29 رشوال 1055ھ بمطابق 6/اکتوبر 1645 کو اس نے اپنی زندگی کی آخری سانس لی اور اپنے شوہر جہانگیر کے پہلو میں شاہ درہ میں ایک سادہ سا قبر میں ابدی نیند سوگئی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نور جہاں بیگم مغلیہ تاریخ کی سب سے نمایاں اور اہم خاتون ہوئی۔اپنے عہد کی ادبی اور ثقافتی ترقی میں اس نے نمایاں کردار نبھایا۔وہ غریبوں،محتاجوں کی دوست، ہمدرد اور مددگار تھی۔ایسا کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں قریب پانچ سو غریب و یتیم لڑکیوں کی شادی اپنے ذاتی خرچ سے کرائی۔

تعلیم و ادب کے شعبے میں بھی اس نے نمایاں خدمات انجام دی۔وہ نہ صرف اعلیٰ پایہ کی شاعرہ تھی بلکہ اس نے ادیبوں اور اہل قلم کی فراخدلی سے سرپرستی کی۔

پوشاک و زیبائش کے شعبے میں بھی اس نے انقلابی تبدیلی لائی۔اس نے نئے قسم کے بروکیٹ، کنارہ، قالین اور فرش چاند کی ایجاد کیا۔سونے کے نئے نئے خوب صورت اور ہلکے

زیورات کی شروعات کی اور ضیافت کے نئے طور وطریقے کی موجد بنی۔ فن تعمیر میں اس نے ذاتی دلچسپی لی۔ کئی سرائے اور مقبرے بنوائے۔ لاہور و کشمیر میں اس نے کئی باغ لگوائے۔

خلاصۃ التواریخ کے مصنف سوجن رائے رقمطراز ہیں:

''نور جہاں نہ صرف خوبصورتی کی اعلیٰ نمونہ تھی بلکہ جذبۂ ایثار وقربانی اور مختلف اوصاف کی ملکہ تھی۔ نظام سلطنت میں سکندر اعظم کی دور اندیشی رکھتی تھی اور عقل وفراست میں وہ ارسطو کی مقابل تھی۔ حاتم طائی سے زیادہ سخی اور فیاض تھی۔ وقت کے درویشوں میں سب سے بڑی درویش تھی۔ شجاعت کے میدان میں بڑے بڑے سپہ سالاروں سے زیادہ بہادر تھی۔''

مختصر یہ ہے کہ مختلف ابواب میں تاریخی شواہد وحقائق کا منصفانہ اور باریکی سے تجزیہ کرنے کے بعد اس کی زندگی اور شخصیت کے متعلق پوری طرح سے ایک نئی تصویر سامنے آئی ہے جو کہ نہ صرف رومانی ہے بلکہ پوری طرح سے حقائق پر مبنی ہے۔

نور جہاں کے متعلق نئے تاریخی ذرائع وشواہد کا مطالعہ وتجزیہ کرنے کے بعد میں نے اس عظیم خاتون کی شخصیت اور کارنامے کو اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنے کی مخلصانہ کوشش کی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نور جہاں اپنے پوری جسمانی خوب صورتی وکشش کے علاوہ اپنے عہد کی سب سے طاقتور مملکت کے سیاسی افق پر نہ صرف اپنا نام ایک ممتاز مقام پر پہنچا دیا بلکہ اپنی غیر معمولی صلاحیت اور قابلیت کی وجہ سے زندگی کے ہر شعبے کو ترقی کی اونچی منزل پر پہنچا دیا۔ جہانگیر کو اپنے عدل کے لیے ساری دنیا میں مشہور کیا اور امور سلطنت کے فرائض کو بخوبی انجام دلانے میں جہانگیر کی بھرپور مدد کی۔ ساتھ ہی ساتھ اپنی ادبی اور ثقافتی خدمات کی وجہ سے اپنی شخصیت کو لافانی بنا دیا۔

☆☆☆☆

ضمیمہ

(الف) نور جہاں کے سکے
(ب) شاہجہاں کا خط جہانگیر کے نام
(س) نور جہاں کی موت کا منظر اور آخری پیغام
(ج) نور جہاں کے اشعار کے چند نمونے
(ح) نور جہاں کے حکم کا تعارف
(خ) نور جہاں کی مہر
(د) نور جہاں کا طغرا
— تصویرات
— نور جہاں کا شجرہ
— اسناد

ضمیمہ الف

''نور جہاں کے سکّے''

مغل بادشاہ جہانگیر کی سب سے محبوب ملکہ نور جہاں بیگم کے سکّے مغلیہ دور کی سب سے اہم تجسس (Curiosity) میں سے ایک ہے۔اس کے سکّے نہ صرف عہد وسطیٰ کے مؤرخین بلکہ علم سکّہ جات کے عالموں کے لیے دلچسپی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ڈاکٹر ہودی والا رقمطراز ہیں:

''ایک عورت کے وضع اور خطاب کا سیاسی افسانہ میں سکّوں کی دنیا میں کندہ ہونا نہ صرف ہمعصروں (1) کے تعجب اور حیرت کو جگایا ہے اور اس حقیقت کو عہد وسطیٰ کے ہمعصر مؤرخین کے ساتھ یورپی سیاحوں نے بھی اس کو اپنے تاریخ میں اہم مقام دیا ہے۔''

اقبال نامہ کا مشہور مصنف معتمد خان کا کہنا ہے کہ سبھی سکّوں پر نور جہاں (2) کا نام کندہ تھا۔جیسے:

بحکم شاہ جہانگیر یافت صدزیور
بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر (3)

اس سلسلے میں سب سے پہلے جو اشارہ ملتا ہے وہ ڈچ فیکٹر ایف پیلزرٹ کی کتاب ریمونسٹرن ٹائی میں ملتا ہے جو ہندوستان میں اپنے سفر کے دوران 1620 سے 1627 تک رہا۔ وہ رقمطراز ہے:

''سونے کے سکّے ہیں لیکن سب ایک ہی طرح کے ہیں وہ مہر کہلاتے ہیں سکّہ کا وزن ایک تولہ یا بارہ ماشہ ہے وہ 14 / روپیہ کے برابر ہے۔اور تناسب میں نصف ہے۔دونوں میں جو چیزیں کندہ تھی روپیہ کی طرح ہیں لیکن

جو ملکہ کے ذریعہ رائج کیے گئے ہیں وہ الگ ہیں اس کے سکّے خواہ روپیہ ہو یا
مہر منتقل البرج (Zodiacal) بارہ نشانوں کو واضح کرتے ہیں۔ اور ہر ایک
سکّے کے الگ نشان ہیں (4)۔''

پیٹر منڈی جو انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کا فیکٹر تھا۔ 1625 سے 1634 تک فیکٹر تھا۔ لکھتا ہے:

''وہ (جہانگیر) اس سے (نور جہاں) سے شادی کے بعد اس کا قیدی
ہو گیا۔ اس وقت اس نے اس کے ساتھ ساتھ سبھی پر حکمرانی کی۔ اپنے نام کا
سکّہ چلایا۔ اپنی خواہش کے مطابق جو کام چاہا کیا اور بادشاہ کی عنایات نوازش کی
اور لوگوں کو خوش (5) کیا۔''

ایک دوسرا یورپی سیاح ٹیورنیر لکھتا ہے:

''ایک دن جہانگیر جب نشے کی حالت میں تھا تو نور جہاں نے اس کے
سامنے رقص کیا۔ اور اس کے نشے کی حالت میں ایک دن حکومت کرنے کا فرمان
حاصل کر لیا اور فوراً تقریباً دو ملین (دس لاکھ) سونے اور چاندی کے سکّے جس پر
اس کا نام اور بارہ گھنٹوں (6) کے بارہ نشان موجود تھے۔ کندہ کروائے۔''

منوچی (1612 سے 1657) بیان کرتا ہے:

''ان لوگوں نے اپنے نام کا سکّہ چلایا جس پر منتقل البرج کا نشان تھا اس
وقت کے سکّے وہی تھے۔'' (7)

ٹی۔ ڈبلو بیل بھی فرماتے ہیں:

''سکّے کے ایک طرف جہانگیر اور نور جہاں کی منجملہ تصویر تھی اور دوسری
طرف یہ اشعار کندہ تھے:

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور
بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر (8)

معتمد خان کے بیان کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم اس حقیقت سے روشناس ہوتے ہیں کہ

نور جہاں سے شادی کے بعد جہانگیر کے سبھی سکّے پر نور جہاں کا نام کندہ تھا۔

کامگار حسینی کا بیان زیادہ قابل اعتماد ہے اور ہمعصر اور بعد کے مُورخین کے ذریعہ اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میں نے لکھنؤ میوزیم سے حاصل کردہ نور جہاں کے سکّے کی تصویر بھی اپنی کتاب کے آخری نقشہ جات میں پیش کیا ہے۔

ٹیور نیر کا بیان غلط معلوم ہوتا ہے ساتھ ہی ساتھ ہمعصر یا بعد کے مُورخین کے ذریعہ اس کی تائید بھی نہیں ہوتی ہے۔

ایف پیلزرٹ کے بیانات کا تجزیہ کرنے کے بعد ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے سنہ جلوس کے تیرھویں سال اس کے حکم کے مطابق زوڈیکل سکّے جاری کیے گئے لیکن خود جہانگیر نے اپنے (9) توزک میں اس کا اظہار نہیں کیا ہے کہ یہ سکّے ملکہ کے نام پر جاری کیے گئے۔

لیکن مشہور تاریخ دان ڈاکٹر ہودی والا رقمطراز ہیں:

''زوڈیکل سکّے اس کے نام کے جاری کیے گئے لیکن بہت ہی نادر ہیں(10)۔''

ڈبلیو۔ بیل کا بھی بیان ہے کہ جہانگیر نور جہاں کی منجملہ تصویر کے ساتھ جو سکّے رائج ہوئے اس کی ہمعصر یا بعد کے مُورخین کے ذریعہ تائید نہیں ہوتی ہے۔

پیلزرٹ اور ہودی والا دونوں کا کہنا ہے کہ مختلف میوزیم میں نور جہاں کے قریب دو سو گیارہ سکّے (11) موجود ہیں۔ ان سکّوں کی سیاسی اہمیت پر مُورخین کے ذریعہ مختلف مضامین لکھے گئے ہیں۔

ڈاکٹر ہودی والا نے اپنے مضامین میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نور جہاں کے سکّے نہ صرف سکّے کے اعتبار سے ایک تجسّس ہیں بلکہ ان کی تاریخی اہمیت بھی ہے۔ ان سکّوں کو پوری مملکت (12) میں ملکہ کی طاقت واقتدار کا مظاہرہ کرنے کے مقصد سے رائج کیا گیا۔

ڈاکٹر سنگھل فرماتے ہیں:

''نور جہاں نے اپنے سکّے میں اپنے آپ کو اکبر بادشاہ و جہانگیر بادشاہ

کی طرح نور جہاں بادشاہ بیگم (13) کی حیثیت سے پیش کیا۔"

وہ مزید فرماتے ہیں کہ اس کے سکّے پر جو اشعار کندہ ہیں ان میں تھوڑا سا فرق ہے مثال کے طور پر۔ (14)

1۔ ز حکم شاہ جہانگیر یافت صدزیور
بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر

2۔ بحکم شاہ جہانگیر یافت صدزیور
بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر

3۔ بر خط نور ہرزر قلق تقدیر
رقم بادشاہ نورانی جہانگیر

4۔ شد خوں خود زین سکہ آفتاب
مملکت نور جہاں

مندرجہ بالا اشعار سے آر، سی سنگھل یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس نے سلطنت پر پورا اقتدار حاصل کر لیا تھا۔

لیکن بی ایل گپتا اور ہودی والا سنگھل کے خیالات سے متفق نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ صرف بادشاہ بیگم کے خطاب کے سکّے پر موجود ہونے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ وہ خود مختار حکمراں بن گئی تھی۔ اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جہانگیر نے اپنے عوض میں اسے (15) جاری کرنے کی اجازت دی تھی۔

بہر حال نور جہاں کے مختلف سکّوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کے نام کے سکّے جو رائج ہوئے ہیں وہ جہانگیر کے ذریعہ جیسا کہ ہودی والا کہتے ہیں کہ دنیا کے سامنے اقتدار اور امور سلطنت میں اس کے اختیارات کا مظاہرہ کرنا تھا۔ صحیح نہیں ہے۔

حرم سرا میں اس کی آمد نور جہاں سے جہانگیر کی والہانہ محبت، نور محل، نور جہاں اور پھر

بادشاہ بیگم کے القاب سے نوازنا۔۔۔یہ سبھی اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ جہانگیر نے اس کے نام کے کچھ سکّے اس کی خاطر اپنی محبت اور چاہت کا اظہار کرنے کے لیے رائج کیا۔ کامگار حسینی جو نور جہاں کا بہت بڑا نکتہ چیں تھا۔ لیکن اس کے بقول۔

جہانگیر کے حکم سے نور جہاں کا نام کچھ دینار اور درہم (16) پر کھدوائے گئے۔

☆☆☆

حوالہ جات

1۔ ڈاکٹر ہودی والا نیوسمیٹک سپلیمنٹ نمبر 13۔1922

2۔ اقبال نامہ 55

3۔ کامگار حسینی 144

4۔ پیلزرٹ، جہانگیرس انڈیا 29

5۔ پٹرمنڈی ٹریولیس 106

6۔ ٹیورنیسر۔ٹریولیس II۔10,11

7۔ منوچی۔اسٹوریاڈی موگور (ترجمہ اردن) 162

8۔ ٹی ڈبلو۔بیل مفتاح التواریخ 315

9۔ توزک (آر اینڈ بی) II، 6,7

10۔ ڈاکٹر ہودی والا 65

11۔ ایف پیلزرٹ 220، ہودی والا 65

12۔ ہودی والا 28

13۔ آر، سی سنگھل، جرنلس نیوسمٹک سوسائٹی جلد دس حصہ (1) 1958 112۔111

14۔ آر، سی، سنگھل: کوائنس آف، ایمپرس نور جہاں جرنل آف دی نیومسلکٹ سوسائٹی شمارہ 31۔1958۔112

15۔ ڈاکٹر پی، این گپتا: دی کوائنس آف نور جہاں شمارہ 32۔1959۔196

16۔ کامگار (مطبوعہ) 144

☆☆☆

ضمیمہ ''ب''

شاہجہاں کا اپنے والد جہانگیر کے نام خط

فارسی مضمون کا اردو ترجمہ

خط کا پس منظر

خافی خان نے اپنی کتاب منتخب اللباب اٹھارھویں صدی کی چوتھی دہائی میں مکمل کی۔ کتاب کی پہلی جلد پوری طرح سے جہانگیر کے عہد سے وابستہ ہے۔ جہانگیر اور مملکت پر نور جہاں کے اثر ورسوخ کی تفصیلات کے علاوہ خافی خان نے شاہجہاں نے اپنے والد کو جو خط لکھا اس کا بھی مضمون اپنی کتاب میں پیش کیا ہے جو بہت ہی دلچسپ اور اہم ہے۔ یہ خط اس نے اپنے والد کو اس وقت لکھا جب قندھار پر ایرانیوں کے ممکنہ حملہ کی اطلاع ملی اور جہانگیر نے ایرانیوں کے حملہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک شاہی فرمان کے ذریعہ شاہجہاں کو دربار میں طلب کیا۔ لیکن شاہجہاں نے شاہی فرمان کی تکمیل کرنے کے بجائے اپنے والد کے سامنے ایک مراسلہ کے ذریعہ مختلف قسم کا عذر پیش کیا اور اپنی کئی روداد سنائی۔ گرچہ خافی خان کے مختلف بیانات سے نور جہاں کے لیے عداوت کا احساس ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اس خط کے مضمون سے شاہجہاں کی نافرمانی کا واضح اظہار ہوتا ہے۔

بہر حال یہ خط بہت ہی اہم ہے اور کسی بھی دوسرے ہمعصر مصنف نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس تصنیف کا قلمی اور مطبوعہ نسخہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔ اس خط کا فوٹو کاپی اور اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

سنہ جلوس سترھویں سال کی شروعات اور 9 / جمادالاول 1031 ھ بمطابق مارچ 1622 کے ساتھ شمال مغرب سرحد پر ایک نئے مسئلے کی شروعات ہوئی۔ ایرانیوں کے قندھار پر

حملہ کی اطلاع (1) دربار میں پہنچی۔ حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے جہانگیر نے شاہجہاں کو دربار میں طلب کرنے کے لیے زین العابدین کو بھیجا اور پوری تیاری اور لاؤلشکر (ہاتھی اور توپ خانے) کے ساتھ آنے کا حکم صادر (2) کیا۔ لیکن شاہجہاں نے ذاتی طور پر دربار آنے کے بجائے اپنا جواب اسی زید ین العابدین کے ذریعہ جہانگیر کو بھیجا جس میں اس نے اپنے فتح و مہمات اور خدمات کی تفصیلات پیش کی۔ لیکن اپنے خط میں اس نے جو عذر پیش کیا اسے جہانگیر نے پسند نہیں کیا (3) شاہجہاں نے اپنے آپ کو خسارہ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ یہاں تک کہ دوآب اور حصار فیروزہ میں اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی۔ آخری حربے کی شکل میں اس نے اپنے والد کو مطمئن کرنے کے مقصد سے اپنے دیوان افضل خان کے ذریعہ ایک خط ارسال کیا جس کا مضمون نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ بہت ہی اہم بھی ہے۔ جو اس طرح ہے:

''اس فرزند کو اپنے والد جو اس کا مربّی اور رہنما ہے۔ مشورہ دینا مناسب نہیں سمجھتا اور وہ اسے دونوں کائنات کے لیے بدبختی کا باعث سمجھتا ہے لیکن جہاں پناہ اور سبھی حکما و عقلا کے سامنے یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ خود غرضی کے جذبے نے افلاطون جیسے مرتبے والے انسان میں بھی لغزش پیدا کر دی ہے تو پھر ان عورتوں کا کیا کہنا جس کا دماغ عقل سے خالی اور جس کا دل حسد و بغض سے بھرا ہوا ہے۔

اردو ترجمہ:

''جھوٹ کا چراغ جو عورتوں کے ذریعہ جلایا جاتا ہے۔ اس میں سوائے جھوٹ کے آنسو کے کوئی روغن نہیں ہے۔ اس روغن سے جو چراغ جلایا جاتا ہے ایک لمحہ میں پوری دنیا کو جلا دیتا (4) ہے۔''

''خصوصاً ملکی و ملی معاملے میں عورتوں کے مشورہ پر کام کرنا ہمیشہ مذموم رہا ہے۔ خاص طور سے اس عقیدت مند فرزند کے لیے جس نے اپنی پوری کوشش سے فتنہ سے بھرپور دکن کے کھوئے ہوئے علاقہ کو اقبال جہانگیری کی تلوار سے تسخیر کیا اور شاہی تصرف میں لایا اور اپنے آپ کو ہر ایک محاذ پر قربانی

کے بکرا کی طرح پیش کیا اور کبھی بھی اپنے والد کی نافرمانی نہیں کی۔ ابھی بھی اس کے پاس سوائے وفاداری اور ایثار و قربانی کے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اپنی خدمات کے لیے وہ شاہی عنایات کا منتظر تھا لیکن حضور والا کی نامہربانیاں دشمنوں کی خوشی کا باعث بن گیا ہے۔ خودغرضوں، حاسدوں اور منافقوں کے رسوخ کی وجہ سے اس نیاز مند کی جاگیر کو سود وزیاں کی تمیز کے بغیر اور بغیر کسی رائے مشورہ کے ناخلف کو دے دیا گیا ہے جسے یہ مایوس انسان اپنے لیے بدبختی کا(5) باعث سمجھتا ہے۔ یہ ہماری دلی خواہش ہے کہ بیگم کی فتنہ جوئی اور اور بے جا مداخلت کی وجہ سے آپ کے دل پر جو غبار بیٹھ گیا ہے اسے میں اپنی عقیدت کے اظہار کے ذریعہ دھو ڈالوں اور دونوں کے درمیان سے ادب و تعظیم کا پردہ نہ اٹھنے پائے۔ حضور والا سے ہماری درخواست ہے کہ ہماری جاگیر واپس کر دیں ورنہ اچانک دربار میں حاضر ہو کر آپ کی پابوسی کا شرف حاصل کر کے اپنی فرمانبرداری اور بے تقصیری ثابت کروں گا۔ اس کے علاوہ میرا کوئی دوسرا مقصد(6) نہیں ہے۔

گرچہ افضل خان نے ہر طور پر کوشش کی کہ اسے بادشاہ کے حضور میں شہزادہ کی عرضی پیش کرنے کا موقع فراہم ہو جائے لیکن ساری کوشش رائیگاں ثابت ہوئی اور شہزادہ کو دکن کی طرف کوچ کرنے کا حکم صادر(7) ہو گیا۔

☆☆☆

فارسی نسخہ

بعدہ کہ فرمان واحکام نساد افزا ابتاہجہاں رسید۔ نہایت آشفتہ خاطر و مکدر گشتہ افضل خان دیوان خود را با عرضہ داشت مشتمل بریں مضمون روانہ حضور نمود کہ ''اگر چہ فرزند مرید را چہ یارا کہ در خدمت مرشد و حضور خود خلاف دستور باعدو ز نوشتن خویش را خسر الدنیا و آخرۃ سازد اما براں بادشاہ جہاں و جہانیان و ہمہ عقلاء و حکماء ظاہر است کہ پائے غرض و حسد کہ بمیاں آمد پائے مردان افلاطون منش می لغزد تا بہ زنان کہ بحکم خدا از حلیۂ عقل معریٰ و بزیور رشک و غرض آراستہ اند چہ رسد۔ بیت

چراغے کذب را کا افروزدش زن — بجز اشک درونش نیست روغن
ازاں روغن چراغے چوں فروزد — بیک ساعت جہانی را بسوزد

خصوص در مقدمات ملکی و مالی جزئی و کلی برائے زناں عمل نمودن نزد عقلاء مذموم و شوم است خاصۂ در حق غلام کہ ملک رفتۂ پر فتنہ دکن را دو بار بشمشیر اقبال جہانگیری بتسخیر درآوردہ خود را گوسفند قربانی تصور نمودہ در ہیچ کار سر از فرمان نہ پیچیدہ ام و بغض سرائے فدویت و اطاعت منظور نیست در پاداش چناں خدمت و جانفشانی کہ چشم انواع عنایت داشت سر گرانی فرمودن و باعث شماتت دشمنان گشتن و بہ کفۂ منافقان و اہل عناد جاگیرہائے نیاز مند را تغیر نمودن و بداں ناخلف دادن و از سود و از نقصان خود فرق نہ نمودن و غور تامل را کار نہ فرمودن بجز ناموافقت ایام خود حمل بر چہ تواں نمود اگر چہ شاہ ولیعہد را سوائے آں مطلب غرضے نبود کہ بہر وجہ ملال کہ بسعی واقعہ طلبان فتنہ جو دکم تو جہی نور گل خاطر پدر جا گرفتہ بآب اظہار عقیدت شستہ گردد و پردۂ ادب دم از میان برداشتہ نہ گردد و کار بہ بدنامی بغی ورزندن و بر کشیہا نکشد اما ارادۂ بعضی کوتاہ اندیشان برہم کار کہ متوسل شہر یار بے عیار و بیگم بر وند اینکہ در پیش آوردن رتبۂ جاہ و اعتبار شہر یار در ارتفاع غبار ملال و نزاع کوشند افضل خان بعد رسیدن حضور و رساندن عرض داشت و پیغام ہر چند سعی نمود فائدہ مرتب نہ گردید و بدوں نیل مقصود بہ گردید و از یں کہ حکم مراجعت دکن بنام شہزادہ صادر شدہ بود او در جواب التماس نمود کہ ایک بار بحضور رسیدہ بعرض حال و بے تقصیری خود پرداختہ بعض بداں چہ مامور گردد بہ عمل خواہید آورد ایں معنی بہ بر بغی و عدم اطاعت خواطر نشاں پادشاہ نمودند۔

مصنف: خافی خان، منتخب اللباب (مطبوعہ صفحہ ۳۲۰-۳۳۲)

حوالہ جات

1۔ خافی خان I، 399
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً 330
5۔ ایضاً 331
6۔ ایضاً
7۔ ایضاً

☆☆☆

ضمیمہ ''س''

نور جہاں کی موت کا منظر اور آخری پیغام

شہنشاہ جہانگیر کی موت بروز اتوار 20/صفر 1037ھ بمطابق 28/اکتوبر 1627(1) کو ہوئی۔ نور جہاں اپنے شوہر کے انتقال کے بعد پورے اٹھارہ سال تک زندہ رہی۔ آر۔سی جین کے لفظوں میں:

تقریباً دو دہائی کی بیوگی اور گوشہ نشینی نے پوری طرح سے اس کے صحت کو خراب کر دیا۔ زندگی اس سے دور ہونے لگی اور آخر کار 28/شوال 1055ھ بمطابق 5/اکتوبر 1645 کی رات کو معدہ میں شدید درد کا احساس ہوا۔ اس کی بیوہ لڑکی باہو بیگم اور اس کی خادمہ فوراً اس کے بستر کے قریب پہنچیں۔ شاہی حکیم شکور اللہ کو اس کے معالجہ کے لیے بلایا گیا۔ اس حقیقت سے آشنا ہونے کے سبب کہ اس کا آخری لمحہ آ گیا ہے اور یہ خدا کی مرضی ہے تو اس نے حکیم صاحب کی دوا لینے سے انکار کر دیا۔ اس کے برخلاف اس نے حکیم صاحب سے اپنا آخری پیغام تحریر کرنے کو کہا۔ آہستہ آہستہ لیکن نپی تلی آواز میں اس نے حکیم صاحب سے بیان کیا کہ اس کی ماں عصمت بیگم نے جہانگیر سے میری شادی کے وقت مندرجہ ذیل الفاظ میں یہ نصیحت دی تھی:

> ''میرے پاس ایک ملکہ کے لیے کوئی قیمتی تحفہ نہیں ہے۔ لیکن شاید مشورہ کے کچھ الفاظ ہیں۔ کسی بھی معاملے میں شہنشاہ سے بحث و جرح نہ کرنا۔ ہمیشہ اس کی خواہش پر اپنے کو مطیع و فرمابردار رکھنا۔ یہ کسی بھی انسان یہاں تک کہ شہنشاہ کو بھی زیر کرنے اور اپنے اختیار میں کرنے کا سب سے محفوظ اور آسان راستہ ہے، ورنہ تم محل کے ٹیڑھے میڑھے راستے میں اس کے قبل کہ اپنے آپ کو پہچان سکو ہمیشہ کے لیے گم ہو جاؤ گی۔ اب جاؤ میری پیاری لڑکی تخت پر جلوہ

افروز ہواور خدا ہمیشہ (2) تم کو اس پر برقرار رکھے۔"

ان الفاظ کے خاتمے کے ساتھ نور جہاں کی آنکھوں میں آنسو رواں تھے۔ جہانگیر کے اوپر اس کے اختیار کے پوشیدہ راز کے اسباب دنیا کی عورتوں کو واقف کرانے کے لیے حکیم صاحب سے یہ پیغام تحریر کرنے کی گذارش کی:

"میں نے کبھی بھی بادشاہ جہانگیر کو کسی بھی معاملہ میں "نہیں" نہیں کہا۔
مسکراہٹ کے ساتھ وفاداری ہی ہماری کامیابی کا راز تھا۔ میں نے ایک شخص
کے حکم کی تعمیل کی اور عوض میں سارے ہندوستان پر میں نے حکمرانی کی۔"

ان الفاظ کے خاتمے کے بعد نور جہاں پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور صبح تک بے ہوشی کا عالم رہا۔ لیکن اسی بیچ شاہی حکیم اسے دیکھنے آئے اور ہوش کی واپسی پر جب حکیم مسیح الزماں اور شیخ صدرالدین نے جڑی بوٹیوں سے بنی مشروب کے کچھ قطرے لینے کی درخواست کی تو اس نے دوا لینے سے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اور ان لفظوں میں حکیم صاحب کو مخاطب کیا:

"حکیم صاحب آخری وقت آچکا ہے کوئی بھی دوا اب کارگر ثابت
نہیں ہوگی اس لیے مجھے سکون سے مرنے دیجیے۔ یہ خدا کی مرضی ہے اور ہمیں
اس کی مرضی کے مطابق سرنگوں ہونا چاہیے۔"

اسی درمیان ایک ہچکی کے ساتھ اس کی سانس تیز ہوگئی اور کمزور آواز میں اس نے اپنا بیان جاری رکھا۔

"اس کے قبل کہ میں آپ لوگوں سے جدا ہوجاؤں آپ بادشاہ سے
کہہ دیں کہ میرے قبر پر نہ تو کوئی شمع جلائی جائے اور نہ ہی پھول رکھا جائے تاکہ
پروانہ اور جگنو محبت کی ایذا سے بچ سکیں۔"

پھر دنیا سے رخصت ہونے والی ملکہ اپنی بیوہ بیٹی باہو بیگم کی طرف متوجہ ہوئی جو غم سے نڈھال اپنی والدہ کے بستر کے داہنی طرف خاموش کھڑی تھی۔ دونوں ماں بیٹی گذشتہ اٹھارہ برسوں سے ایک ساتھ بیوگی کی زندگی گذار رہی تھیں۔ بدنصیبی نے دونوں کو پوری طرح سے ایک دوسرے پر منحصر کر دیا تھا۔ نور جہاں نے آخری نصیحت کی شکل میں مندرجہ ذیل الفاظ سے مخاطب کیا۔

''میری پیاری بچی افسوس مت کرو۔ ہر ایک فانی شئے کے لیے موت لا فانی ہے اور ہم لوگوں کو اس حقیقت کو بخوشی قبول کرنا چاہیے۔ اللہ جانتا ہے کہ میں ایک ریگستان میں پیدا ہوئی اور زندگی کا چرخ اس وقت اپنی پوری روانی میں آ جائے گا جب ہماری ہڈیاں قبر میں تحلیل ہو کر ریگستان کی شکل اختیار کر لیں گی۔''

اس کے فوراً بعد مغرب کی نماز کے قبل 69 ربرس (3) کی عمر میں آخری سانس لی۔ 29 رشوال 1055ھ (4) بمطابق 6 ر اکتوبر 1645 کا دن تھا اور لاہور کے پاس شاہ درا میں جہانگیر کے مقبرہ کے پہلو میں اسے دفنا دیا گیا۔

☆☆☆

حوالہ جات

1۔ کامگار (مطبوعہ) 483 لیلیٹ اینڈ ڈاوسن (ج6) 435

2۔ آر۔ سی جین سینک سماچار، ڈائرکٹریٹ آف پبلک ریلیشن، منسٹری آف ڈیفنس، نئی دہلی اکتوبر 1982، شمارہ 16۔

3۔ ایضاً

4۔ ایضاً

نوٹ: آر، سی جین کے بیانات کی ہمعصر ذرائع سے تائید نہیں ہوتی ہے لیکن یہ ساری تفصیلات صحیح اور ہمعصر ماٰخذ میں کہیں نہ کہیں موجود ہیں جو تحقیق کے دوران ہماری پہنچ سے باہر رہے ہیں۔ اس سے نور جہاں کے مثبت مزاج کی عکاسی ہوتی ہے اور اللہ کے مرضی کے سامنے نور جہاں کی اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار ہوتا ہے۔ آخر میں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ خاتون ہمہ گیر خوبیوں کی ملکہ تھی۔ اور آج بھی تاریخ کے صفحات پر اس کا نام کسی نہ کسی شکل میں روشن ہے۔

☆☆☆

ضمیمہ ''ج''

نور جہاں کے چند منتخب اشعار

نور جہاں کے مختلف اشعار دستیاب ہیں جسے اس نے مختلف موقعوں پر تخلیق کیا۔
ایسا کہا جاتا ہے کہ شہنشاہ جہانگیر سے ایک طویل رفاقت کے بعد نور جہاں اس سے ملی تو اس کی آنکھوں میں آنسو کے چند قطرے نظر آئے جس پر جہانگیر نے یہ شعر کہا:

گوہراز اشک چشم تو غلطیدہ می رود (1)

ترجمہ: آنکھوں سے آنسو کے ساتھ روبی کے ٹکرے رواں ہیں۔
نور جہاں نے اس پر برجستہ جواب دیا:

آب کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ می رود

ترجمہ: پانی جو میں نے آپ سے لیا ہے ہماری آنکھوں سے رواں ہے۔
ایک بار آسمان پر ایک ستارہ نظر آیا اس کے دیکھنے پر نور جہاں نے یہ اشعار کہا:

ستارہ نیست بدیں طول سربر آوردہ
فلک بشاطری گہر آوردہ (2)

اپنی مشہور تصنیف مفتاح التواریخ میں ٹی۔ ڈبلو۔ بیل رقمطراز ہیں کہ ماہ رمضان کے ختم ہونے پر عید کا چاند دیکھنے پر جہانگیر نے یہ شعر کہا:

ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد

نور جہاں نے برجستہ شعر کے الفاظ میں جواب دیا؛

کلید میکدہ گم گشتہ بود پیداشد (3)

اسی طرح ایک بار جب کہ شہنشاہ ایک قیمتی پوشاک پہنے ہوئے تھے جس میں روبی اور

دوسرے قیمتی پتھر آویزاں تھے تو اس کو دیکھنے کے بعد نور جہاں نے مندرجہ ذیل اشعار کہا:

ترا کہ تکمۂ لعل است برلباس حریر
شدہ است قطرۂ خون منت گریباں گیر (4)

جہانگیر اور نور جہاں کے درمیان شعر و سخن کے مناظرے کی ہمعصر تاریخ میں تصدیق ہوتی ہے۔ ڈاکٹر پی این چوپڑہ رقمطراز ہیں کہ ایک بار جہانگیر نے نور جہاں کے سامنے یہ اشعار پیش کیا۔

بلبل نیم کہ نعرہ کنم درد بسر دہم
پروانہ ام کہ سوزد ودم برنیاوردم (5)
نورجہاں نے جواب میں برجستہ کہا
پروانہ من نیم کہ بیک شعلہ جان دہم
شمع کہ شب سوزم و دم بر نیاوردم (6)

معاصر الامرا کے مصنف شاہنواز خان نے مندرجہ ذیل اشعار ریکارڈ کیا ہے۔

دل بصورت نہ دہم باشد سیرت معلوم
بندۂ عشق و ہفتاد و ملت معلوم
زہد ا ہول قیامت مفکن درد ل ما
حول ہجراں گرد انیم و قیامت معلوم (7)

مفتاح التواریخ کے مطابق ایک بار دربار میں شاعر طالب عملی اپنی بدسلوکی کے سبب جہانگیر کے ذریعہ قید خانہ میں ڈال دیے گئے۔ اس نے نور جہاں کو اس معاملے میں سفارش کی غرض کہ یہ اشعار لکھ کر بھیجا۔

زشرم آب شدم آب را شکستے نیست
بحیرتم کہ مرا آبروئے از چہ شکست
اس پر نورجہاں نے جواب دیا
یخ بست و شکست(8)

علاوہ ازیں نور جہاں کے اشعار کے کچھ اور نمونے پیش کئے جا رہے ہیں:

بقتل چون من کر خاطرت خوشنودی می کردد
بجان ولے تیغ تو خون آلود ی کردد
چوں برادرم زرخ برقعہ زگل فریاد برخیزد
زنم برزلف اگر شانہ زسنبل داد برخیزد
بایں حسن کمالات چوں درگلشن گزرسازم
جان بلبلاں سوزم مبارک باد برخیزد(9)

ایک مصنف سید نظر حسین خان (10) رقمطراز ہیں کہ اس نے اردو ادب کی ترقی میں نمایاں خدمات انجام دیا۔ وہ بذات خود اردو میں برجستہ اشعار کی تخلیق کرتی تھی اور اس وقت کے نامور شعرا اس کے اعلیٰ پایے کے اشعار پر حیرت زدہ تھے۔ اس کے اردو کے کچھ اشعار اس طرح ہیں:

دیں جگہ زخم جفا کو دل صد چاک میں
دیکھیں گر کچھ بھی وفا اس بت بے باک میں ہم
نقش پا کی طرح اے راحت جان عاشق
ترے قدموں سے جدا ہو کے ملے خاک میں ہم(11)

نور جہاں کے مختلف اشعار کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ بہت ہی اعلیٰ پایہ کی شاعرہ تھی۔ بادشاہ کے ساتھ شعر وسخن کا مناظرہ اور اس کی برجستہ شاعری۔ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ وہ اعلیٰ پایہ کی شاعرہ تھی۔

مغلیہ دور، خاص طور سے اس وقت مغل دربار اس زمانے کی تہذیب وتمدن کا مرکز تھا بلاشبہ نور جہاں نے اس کے نشو نما اور ترقی میں نمایاں خدمات انجام دیا۔

☆☆☆

حوالہ جات

1۔ ٹی، ڈبوبیل۔ مفتاح التواریخ314

2۔ ایضاً۔ افضل سرخوش کلمات الشعرا23

3۔ ایضاً

4۔ ایضاً۔ اقبال نامہ 37۔ کلمات 23 آتش کدہ342

5۔ پی این چوپڑہ۔ لائف اینڈ لیٹرز انڈر دی مغلس 332

نوٹ: جہانگیر اور نور جہاں کے درمیان مندرجہ بالا شاعری مناظرہ ہمعصر ذرائع میں دستیاب نہیں ہے۔

6۔ معاصر الامرا (2)1079 مفتاح314

7۔ ایضاً

8۔ آتش کدہ342

9۔ مفتاح314

10۔ نواب سید نظر حسین خان ''خیال''، مغل اور اردو عرش جدید پریس کلکتہ 1933 ص16

11۔ ایضاً

☆☆☆

ضمیمہ ''ح''

نور جہاں کے حکم کا تعارف

ڈاکٹر ترمذی رقمطراز ہیں:

تکنیکی لحاظ سے حکم اور نشان میں شہنشاہ کے فرمان سے بہت ہی نزدیکی مماثلت ہے۔ بہر کیف حکم کا درجہ فرمان کے بعد لیکن نشان کے قبل آتا ہے۔

ان کا مزید کا کہنا ہے:

''جب کہ ملکہ کے حکم کا دائرہ محدود تھا لیکن اس کے برخلاف نور جہاں اور ممتاز محل جیسی ملکہ کے حکم کا دائرہ کافی وسیع تھا۔''

اصلی حکم راجستھان کے اسٹیٹ آرکائیوز بیکانیر میں محفوظ ہے نمبر 171 اس کی فوٹو کاپی پیش ہے۔

دعاء۔ اللہ اکبر طغرہ

حکم علیہ عالیہ مہد علیہ

نور جہاں بادشاہ بیگم

مہر۔ زمہر شاہ جہانگیر شد جو ماہ فروزاں

نگیں نور جہاں بادشاہ بیگم دوراں

1029

صاحب قران فخر الاماثل والاعیان التفات اور احسان کے لائق ہیں ایماندار اور وفادار ملازم جے سنگھ کو ملکہ کے حکم سے عزت اور عنایت سے سرفراز کیا گیا ہے۔ اور ملکہ نے مملکت کے معاون فدائی خان کو وہاں کے باشندوں کو دلاسہ دینے کے لیے مقرر کیا ہے۔ ہر ایک بات جسے وہ مخاطب کرے اور جو عنایت کے لیے حق دار ہے یہ سمجھ کر اس کا یہ طے کیا جائے کہ یہ ملکہ کا حکم ہے اور کسی بھی طرح بنائے گئے قانون اور قاعدہ کے خلاف عمل نہ کیا جائے اور اسے وفاداری اور عقیدہ کے ساتھ شاہی خدمات میں لگا رہنا چاہیے۔ انشاء اللہ اسے انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔

1۔ اصلی حکم جس کا نمبر 174 ہے بیکانیر کے اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ہے۔

2۔ اس مہر سے نور جہاں کے اعلیٰ پایہ کے منصفانہ ذہن کی نشاندہی ہوتی ہے اور چاروں پینل اس طرح بنائے گئے ہیں جو ایک کھو کھلے ہوئے گلدستہ کی طرح ہیں۔

تحریر کی تاریخ 30 آبان ماہ الٰہی 20ھ

21/20 نومبر 1625

☆☆☆

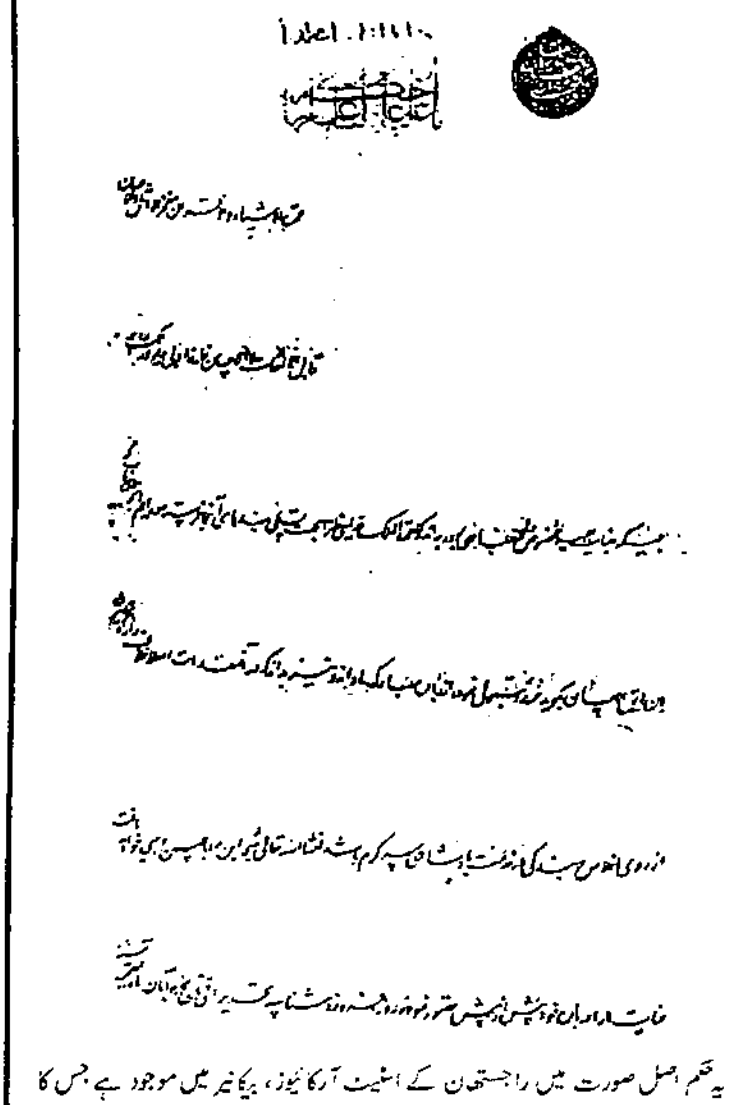

یہ حکم اصل صورت میں راجستھان کے اسٹیٹ آرکائیوز، بیکانیر میں موجود ہے جس کا
نمبر ہے A.N 171 اس کی فوٹو کاپی راجستھان کے اسٹیٹ آرکائیوز سے دستیاب ہوئی۔

الله اکبر

زمهر شاه جهانگیر شد چو ماه فروزان
نگین نورجهان پادشاه بیگم دوران
۱۰۲۹

حکم علیه عالیه مهد علیه
نورجهان پادشاه بیگم

عمدة الاشباه والاقران مفخر الاماثل والاعیان
قابل الالتفات والاحسان خانه زاد بی ریو ورنگ راو
جیسنگ بعنایت علیه مخصوص و مباهی بوده بداند که با عمدة الملک فدائی خان را بجهت
تسلی بندهای آنجا فرستاده ایم آنچه در هر باب که بان لایق الاحسان گردیده را
قبول نموده از زبان مبارک داده‌اند و نیز بداند که در آن تعهدات اصلاح خلاف را راه تسلیم
داده از روی اخلاص و بندگی در خدمت پادشاهی سرگرم باشد انشاءالله
تعالی نتیجه این را با حسن وجهی خواهد یافت عنایت ما را درباره خود بیش
از بیش تصور نموده روز افزوده و افزون شناسید
تحریرا فی تاریخ ۳۰ آبان ماه الهی سنه

نور جہاں کی مہر

زمہر شاہ جہانگیر شد چوں ماہِ فروزاں

نگیں مہرِ نور جہاں بادشاہ بیگمِ دوران 1029ھ

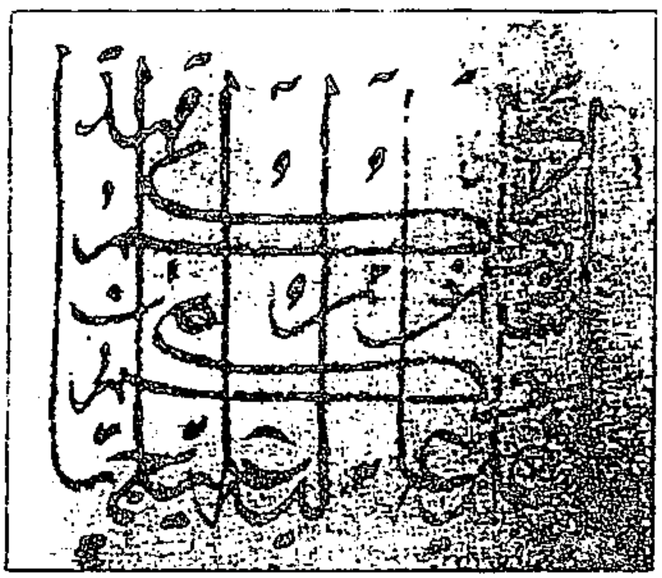

نور جہاں کا طغرہ

حکم علیہ عالیہ مہدی علیہ

نور جہاں بادشاہ بیگم

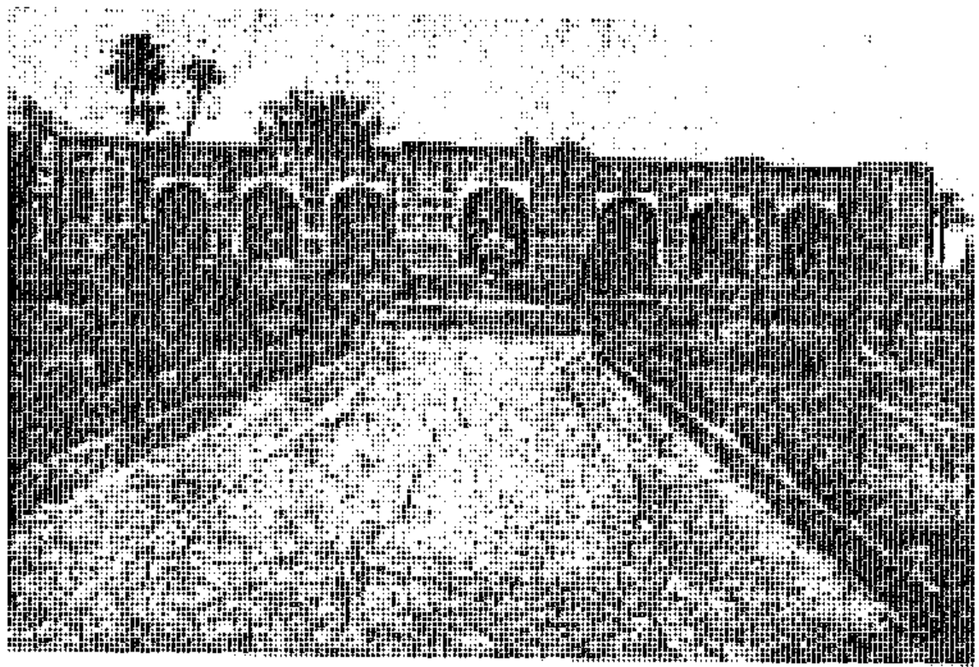

لاہور کے شاہدرہ میں نورجہاں کا مقبرہ، عطیہ: فیاض حسن، پاکستان

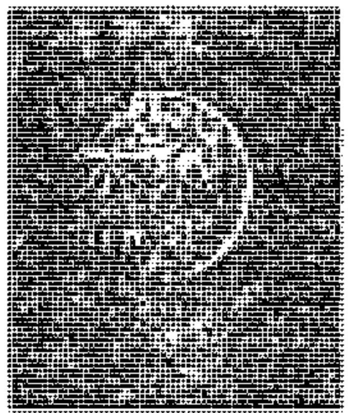

Obv

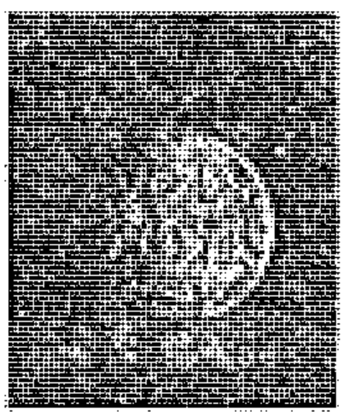

Rev

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور
بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر
عطیہ: صوبائی میوزیم، لکھنؤ
نور جہاں بیگم کے سکے کی تصویر

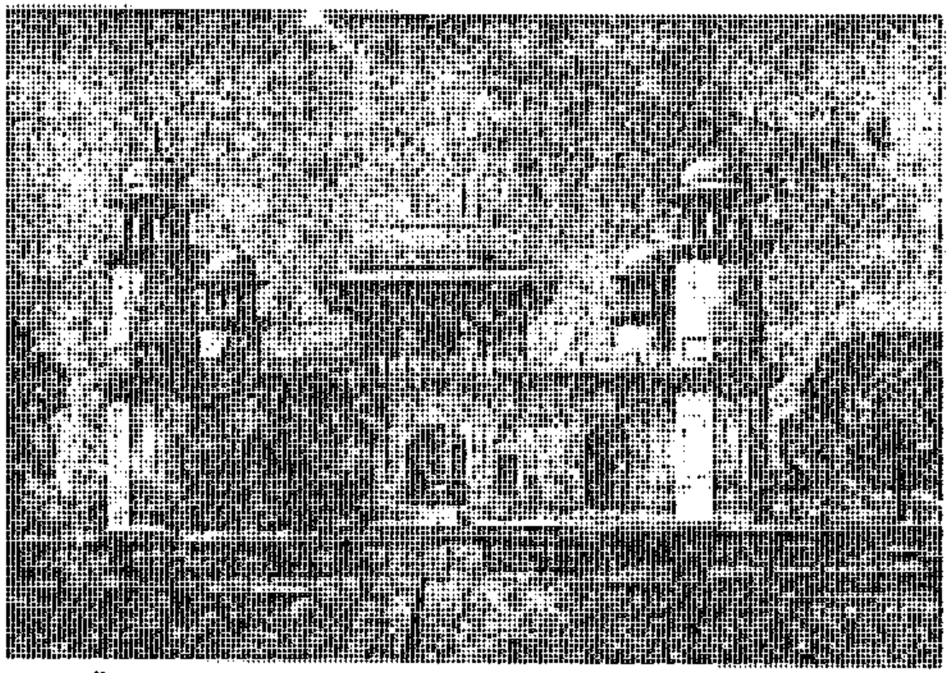

اعتماد الدولہ کا مقبرہ، آگرہ، نور جہاں بیگم نے اپنے والد اعتماد الدولہ کی یاد میں اس مقربہ کی تعمیر کی

نورجہاں کا خاندانی شجرہ

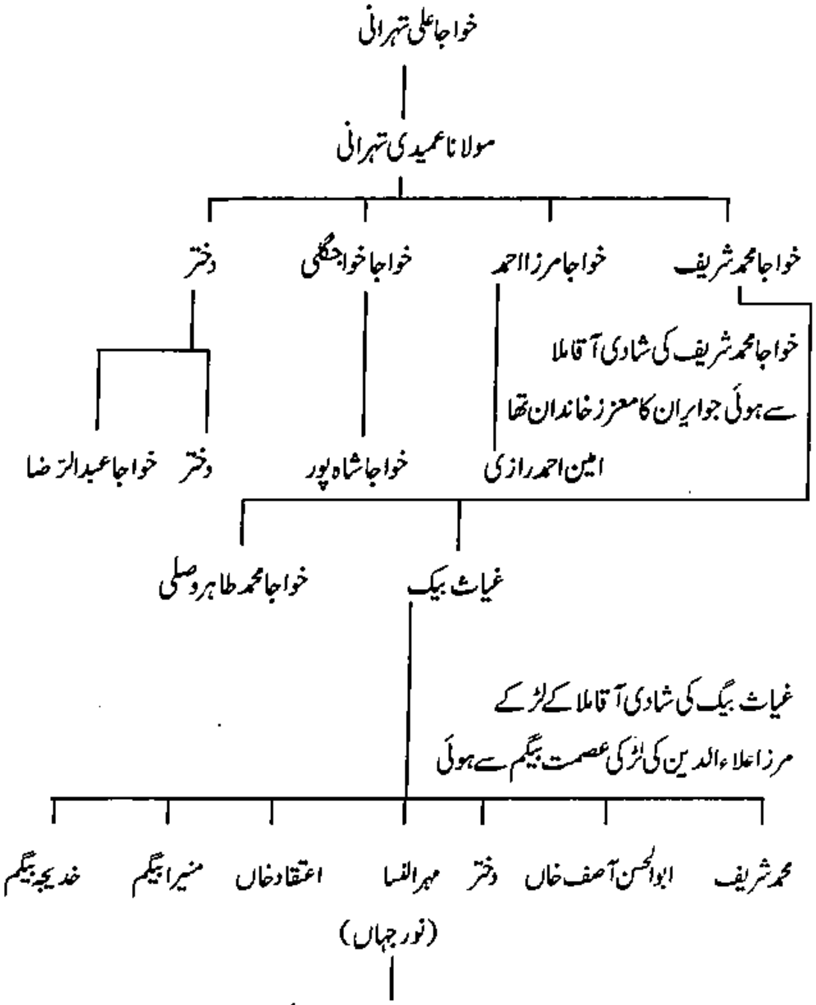

1۔ نور جہاں کے پہلے شوہر شیر افگن سے پیدا ہوئی باہو بیگم (لاڈلی بیگم)

2۔ بادشاہ جہانگیر سے نور جہاں کو کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی

3۔ باہو بیگم کی شادی جہانگیر کے پانچویں شہزادے شہریار سے ہوئی

اسناد (Bibliography)

مخصوص فارسی اسناد اور اردو ترجمہ

ابوالفضل — اکبر نامہ (3 جلدوں پر مشتمل)
ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے ذریعہ شائع کردہ

ابوالفضل — آئین اکبری (3 جلدوں پر مشتمل)
نول کشور پریس، لکھنؤ کے ذریعہ شائع کردہ

امین احمد رازی — ہفت اقلیم، نسخہ نمبر 636 خدا بخش لائبریری، پٹنہ

آنند رائے — مرأۃ الاصطلاح، نسخہ نمبر 796، خدا بخش لائبریری، پٹنہ

اسد بیگ — حالات اسد بیگ (ایلیٹ اور ڈاؤسن نے اس کے اہم اقتباسات ہندوستان کے تاریخ دانوں کی زبانی جلد ششم میں شائع کیا ہے۔

احمد علی ہاشمی — مخزن الغرائب، نسخہ نمبر 239، خدا بخش لائبریری، پٹنہ

اسکندر منشی — تاریخ عالم آرا عباسی

ابن احمد طوفان — تذکرۃ الشعراء، خدا بخش لائبریری، پٹنہ

بقا محمد — سیرۃ العلم، نسخہ نمبر 477، خدا بخش لائبریری، پٹنہ

ٹی ڈبلو بیل — مفتاح التواریخ

دولت شاہ — تذکرۃ الشعراء

جہانگیر — جہانگیر نامہ، قلمی نسخہ نمبر 113، خدا بخش لائبریری، پٹنہ

جہانگیر — توزک جہانگیری

حیدر ملک	تاریخ کشمیر (روٹو گراف نمبر 1171، اے ایم یو، علی گڑھ
حسین علی خاں	نشتر عشق، نسخہ نمبر 241-247، خدا بخش لائبریری، پٹنہ
خافی خاں	منتخب الباب دو جلدوں پر مشتمل، کتب خانہ رحمانی، مونگیر
خواجا ابوالحسن	جہانگیر نامہ، نول کشور پریس، لکھنؤ
خواجا کامگار حسینی	مآثر جہانگیری، مولف عذرا علوی۔ انھوں نے اندرون ملک اور بیرون ملک دستیاب 6 قلمی نسخوں کا تقابلی مطالعہ کر کے اس کی تالیف کی ہے جو بہت ہی اہم ہے۔
رائے چتر من	چہار گلشن، اے سی سی نمبر 1238، خدا بخش لائبریری، پٹنہ
سوجن رائے بھنڈاری	خلاصۃ التواریخ، قلمی نسخہ نمبر 761، خدا بخش لائبریری، پٹنہ
شاہنواز خاں	معاصر الامراء، 3 جلدوں پر مشتمل
شیخ فرید بھکاری	ذخیرۃ القوانین، نسخہ نمبر 47/32، آزاد لائبریری، علی گڑھ
شیخ فیضی	واقعات، ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن نے جلد ششم میں کچھ اقتباس کا ترجمہ کیا ہے۔
شیخ نور الحق	زبدۃ التواریخ
شیر خاں لودی	مرآۃ الخیال، قلمی نسخہ نمبر 16، پٹنہ یونیورسٹی لائبریری (ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن نے جلد ششم میں کچھ اقتباس کا ترجمہ کیا ہے۔
عبدالحمید لاہوری	بادشاہ نامہ (مطبوعہ)
علی اکبر دہ خدا	لغت نامہ، خدا بخش لائبریری، پٹنہ
علی قلی داغستان	ریاض الشعراء، قلمی نسخہ نمبر 80، آزاد لائبریری، علی گڑھ
غلام حسین طباطبائی	سیر المتاخرین (ذاتی نسخہ)
کامی شیرازی	فتح نامہ نور جہاں بیگم، روٹو گراف نمبر 148ء، شعبۂ تاریخ، اے ایم یو، علی گڑھ
کیول رام	تذکرۃ الامراء، خدا بخش لائبریری، پٹنہ

گل بدن بیگم	ہمایوں نامہ
لطف علی بیگ آذر	آتش کدہ، قلمی نسخہ نمبر 206، خدا بخش لائبریری، پٹنہ
محمد صالح کنبوہ	عمل صالح 3 جلدوں پر مشتمل (مطبوعہ)
ملا عبد النبی اور فخر الزماں	میخانہ، کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، لاہور 1926ء
ملا قطعی حروی	تذکرۃ انجم الشعراء جہاں گیر شاہی، مطبوعہ کراچی 1979
معتمد خاں بخشی	اقبال نامہ جہانگیری
محمد علی تبریزی	ریحان الادب (مطبوعہ)
محمد ہادی کامور خاں	تذکرۃ السلاطین چغتائی
محمد افضل سرخوش	کلمۃ الشعراء، مطبوعہ لاہور
محمد قاسم فرشتہ	تاریخ فرشتہ (ذاتی نسخہ)
محمد صادق	صبح صادق، قلمی نسخہ نمبر 72/671، خدا بخش لائبریری، پٹنہ
محمد علی خان	مرأۃ احمد جلد اول، خدا بخش لائبریری، پٹنہ
محمد امین	انفاع الاخبار (ترجمہ ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن جلد ششم)
مرزا امینائی قزوینی	بادشاہ نامہ، قلمی نسخہ نمبر 22/132، اے ایم یو علی گڑھ
نامعلوم مصنف	نسخہ جہانگیری، قلمی نسخہ نمبر 831، پٹنہ یونیورسٹی لائبریری
نامعلوم مصنف	تذکرۃ الخواتین، قلمی نسخہ، خدا بخش لائبریری، پٹنہ

☆☆☆

جدید اسناد

ایم۔اے۔انصاری	یورپین ٹریولس انڈر دی مغلس
اے ایل سری واستو	دی مغل امپائر
اے ایل سری واستو	اکبر دی گریٹ (تین جلدوں میں)
اشرف کے ایم	لائف اینڈ کنڈیشن آف دی پیوپلز آف ہندستان
	(ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن، ہسٹری آف انڈیا ٹولڈ بائی اون ہسٹورین جلد 6)
ایلفنسٹن کے آر اینڈ	نور جہاں اینڈ جہانگیر
اسٹین لے لین پول	
ابن حسن	دی سنٹرل اسٹرکچر آف مغل امپائر
اسپیر پی اسمتھ وی اے	ٹوئی لائٹس آف دی مغلس
اسمتھ وی اے	اکبر
اسٹوورٹس سی ایم یو	گارڈنس آف دی گریٹ مغلس
اسٹوورٹس سی ایچ	دی آرٹ آف مغل انڈیا پینٹنگ
اوجھا پی این	سم ایسپکٹس آف نارتھ انڈین سوشل لائف
اوجھا پی این	سم ایسپکٹس آف نارتھ انڈین کلچر
بمبر نتھک	دی گریٹ مغلس
بی ٹی ڈبلو بیل	اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری
بیل گرے	پرشین پینٹنگس

بلوچیٹ ای	مسلمان پینٹنگس 17ویں صدی سے 21ویں صدی تک
براؤن سی.جی ٹوائن	کوائنس (سکّے)
بنی پرشاد	ہسٹری آف جہانگیر
تاراچند	انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر
آر پی ترپاٹھی	رائز اینڈ فال آف مغل امپائر
ترمذی ایس اے	ایڈکٹس آف دی مغل حرم
جادو ناتھ سرکار	ہسٹری آف اورنگ زیب 3 جلدوں پر مشتمل
جمیلہ برج بھوشن	دی کاسٹیومس اینڈ ٹیکسٹائلس آف انڈیا
جعفر ایس ایم	سم کلچرل ایسپکٹس آف مسلم رول ان انڈیا
جھوری کے ایم	امپیریل فرمان
جعفر شریف	قانون اسلام
رحمان ایم ایل	پرشین لٹریچر ان انڈیا ڈیورنگ دی ٹائم آف جہانگیر
ریکھا مشرا	وومن ان مغل انڈیا
رابرٹ اورم	ہسٹاریکل فراگ منٹس آف مغل امپائر
بی پی سکسینہ	ہسٹری آف شاہ جہاں آف دہلی
سلویہ کرو اینڈ شیلا ہے اود	دی گارڈنس آف مغل انڈیا
شیروانی ایچ ایل	کلچرل ٹرینڈس ان مغل انڈیا
شری واستو کے پی	مغل فرمان جلد اول 1540 سے 1700
عبدالعزیز	امپیریل لائبریری آف دی مغل
فرگوسن	اے ہسٹری آف انڈیا اینڈ ایسٹرن آر کی ٹیکچرس
کمودی	کشمیر
لا این این	پروموشن آف لرننگ ان انڈیا ڈیورنگ محمڈن رول
لین پول اسٹین لے	میڈیئول انڈیا اندر محمڈن رول

مالکم سے جے	دی ہسٹری آف پرشیا
مہارانی سنیتا دیوی	دی بیوٹی فل مغل پرنسز
مورلینڈ ڈبلو ایم	انڈیا ایٹ دی ڈیتھ آف اکبر
نیون فریڈرک آگسٹس	دی امپر ر اکبر
ہیگ ڈبلو	دی کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد ششم
ہودی والا	ہسٹاری کل اسٹڈیز ان مغل نیو مسمیٹکس
ویلس ایچ جی	دی مغل انڈین پینٹنگس اینڈ پریشس آنجکلس
وھیلر اینڈ میلکم	یورپین ٹریولرس ان انڈیا
یوسف حسین	میڈ یول انڈین کلچر

یورپی سیاحوں کی تفصیلات

برنیر فرینکوئس	ٹریولس ان دی مغل امپائر 1556 سے 1668 تک
پیلزرٹ فرانکوئس	دی ریمانسٹر نٹائی
پیٹر منڈی	ٹریولس ان ایشیا
پرچاز	پرچاز اینڈ ہز پینٹنگس
ڈیلا ویل پٹرو	ٹریولس آف پٹرو ڈیلا ویل ان انڈیا
ٹیری ایڈ وارڈ	اے دوائج ٹو دی ایسٹ انڈیز
فوسٹر ولیم	انگلش فیکٹریز ان انڈیا
فوسٹر ولیم جاردن	ارلی ٹریولس ان انڈیا
ٹیری	انڈین ٹریولس آف تھیونات اینڈ کریری
نکولس منوچی	اسٹوریا دی موگور

ہندی اسناد

اومیش جوشی	ہسٹری آف انڈین میوزک
اومیش دکشت	مدھیہ کالین بھارت

اردو ذرائع

امجد علی اشہری	نور جہاں بیگم کی سوانح عمری
آزاد ایم ایم	دربار اکبری
حفیظ اللہ محمد	سلاطین ہند کی علم پروری
حیرت دہلوی مرزا	نور جہاں
رام سوروپ کوشل	نور جہاں
سید احمد کاظمی	نور جہاں
شہاب الدین عبدالرحمٰن	بزم تیموریہ
شبیر الدین احمد	فرمان سلاطین
شبلی نعمانی	شعرالعجم
نذیر حسین خاں	مغل اور اردو
ذکاءاللہ	تاریخ ہندوستان

☆☆☆

پروسیڈنگس آف انڈین ہسٹری کانگریس

انڈین انٹی کوئٹی
اسلامک کلچر
انڈین ہسٹرو ریکل کوارٹرلی
انڈین ہسٹرو ریکل ریکارڈس
جرنلس اینڈ پروسیڈنگس آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال
جرنل آف دی بومبے برانچ آف دی روائل ایشیاٹک سوسائٹی
جرنل آف دی بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی
جرنل آف دی نیومیس میٹک سوسائٹی آف انڈیا
جرنل آف دی پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی
جرنل آف دی یوپی ہسٹاریکل سوسائٹی
انسائکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد 12
دینک سماچار

اردو رسالہ جات

معارف اعظم گڑھ
معاصر پٹنہ

❀❀❀

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

واجد علی شاہ کی ادبی وثقافتی خدمات

مصنف: کوکب قدر سجاد علی مرزا

صفحات: 698

قیمت :-/127 روپے

رنجیت سنگھ

مصنف: نریندر کرشن سنہا

مترجم: کیلاش چند چودھری

صفحات: 223

قیمت :-/26 روپے

میر تقی میر

مصنف: نثار احمد فاروقی

صفحات: 191

قیمت :-/38 روپے

قلم کا مزدور

مصنف: مدن گوپال

صفحات: 220

قیمت :-/20 روپے

جوش ملیح آبادی (شخصیت اور فن)

مصنف: ظفر محمود

صفحات: 108

قیمت :-/33 روپے

یورپ کے عظیم سیاسی مفکرین

مصنف: محمد ہاشم قدوائی

صفحات: 396

قیمت :-/100 روپے

₹ 80/-

ISBN : 978-81-7587-881-5

9 788175 878815

राष्ट्रीय उर्दू भाषा विकास परिषद्

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC- 33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110 025